پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات لکھنؤ

103. And hold fast,
All together, by the Rope
Which God (stretches out
For you), and be not divided
Among yourselves;
And remember with gratitude
God's favour on you;
For ye were enemies
And He joined your hearts
In love, so that by His Grace,
Ye became brethren;
And ye were on the brink
Of the Pit of Fire,
And He saved you from it.
Thus doth God make
His Signs clear to you:
That ye may be guided.

۱۰۳۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا
وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا
وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ
فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ آيَاتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

104. Let there arise out of you
A band of people
Inviting to all that is good,
Enjoining what is right,
And forbidding what is wrong:
They are the ones
To attain felicity.

۱۰۴۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

110. We are the best
Of Peoples, evolved
For mankind,
Enjoining what is right,
Forbidding what is wrong,
And believing in God.

۱۱۰۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

Every one that is there on will pass away: There remaineth but the countenance of, Thy Lord of might and Glory.

Regd. No. L 1981
FORTNIGHTLY
Phone : 22746

TAMEER-E-HAYAT

Daruluioom Nadwatululama, Lucknow (India)

مزارِ شبلیؒ و مسجد دار المصنفین

کتب خانہ دار المصنفین کا نو تعمیر ہال

شاہجہان کی لڑکی جہاں آراء کی تصنیف مونس الارواح کے نایاب مخطوطہ کے ابتدائی صفحات مکتوبہ ۱۰۵۱ھ لندن کی نمائش میں سنہ ۱۹۳۱ء میں ہمارا حضرات میں الشورنس ہو کر گئی تھی۔

علامہ شبلیؒ کا مصنوعی چوبی پیر جو دار المصنفین میں محفوظ ہے۔

حادثہ کی تفصیل مولانا شبلیؒ کی زبان سے

ایک اتفاقی تقریب سے میں اپنے وطن اعظم گڑھ میں آیا تھا۔ اور ارادہ تھا کہ مہینے دو مہینے یہاں قیام کروں گا۔ شعر العجم کے اجزاء زیر تحریر تھے۔ اور شاہنامہ پر ریویو کر رہا تھا۔

سترہویں مئی سنہ ۱۹۰۷ء قریباً دس بجے ہوں گے کہ دفتر سے اٹھ کر زنانہ کمرہ میں آ گیا اور تخت بچھے ہوئے تھے۔ میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ تخت پر کارتوس بھری ہوئی بندوق رکھی تھی۔ میں نے ہاتھ میں اٹھائی اور پھر ایک دوسرے شخص کے ہاتھ میں دیدی۔ اتفاق سے گھوڑا گر گیا بندوق کی زد ٹھیک میرے پاؤں پر تھی۔ بندوق کی نال سے پاؤں تک صرف ایک بالشت کا فاصلہ تھا۔ کارتوس میں اگرچہ چھرے تھے لیکن چونکہ بڑے تھے اور فاصلہ بہت کم تھا اس سے ٹخنہ کی ہڈی بالکل چور ہو گئی اور پاؤں کٹ کر صرف دو تسمے لگے رہ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد میرے چھوٹے عزیز بھائی حمید سول سرجن اور اسسٹنٹ سول سرجن کو ساتھ لیکر آئے۔ بڑی غلطی یہ ہوئی کہ جو رگیں کٹ گئی تھیں ان سے شدت کے ساتھ خون جاری تھا اور خود دیکھو ورنہ نوکروں چاکروں میں سے کسی کو خیال آیا کہ اس پر پٹی کس طرح باندھ دیں جس سے خون رک جائے بہرحال ڈاکٹروں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رگوں کے منہ باندھ دیے جس سے خون رک گیا اس کے بعد میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اگر پاؤں جوڑنے کے قابل ہو تو خیر ورنہ سرے سے نکال ڈالئے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ پاؤں کاٹنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں غرض بیہوشی کی دوا پلائی گئی۔ اور عمل جراحی شروع کیا گیا چونکہ ہڈیاں کچھ اوپر تک پھٹ گئی تھیں اس لئے نصف پنڈلی جدا کر دی گئی۔ (اور ہرزہ گردی کی سزا دی گئی ہے)

خدا کا شکر ہے کہ ابتدائے واقعہ سے اب تک طبیعت کی طمانیت و سکون میں کوئی کمی نہیں ہے۔ سوچتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ جو شخص سر کاٹے جانے کے قابل ہو اس کے پاؤں کاٹے گئے تو کیا ہوا۔

ظاہری حالات کے لحاظ سے بھی تسکین ہے کہ پچاس برس سے بھی زیادہ کی کچھ عمر پائی۔ بہت چلا پھرا، دوڑا، دھوپا، چلا آخر کہاں تک؟ خود پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا چاہیے تھا۔ نہ بیٹھا تو قسمت نے بٹھا دیا ہے

بلا سے بھی جگہ سے گو چلنا ہے دشوار — اس پہ بھی خدا کا شکر ہے احساں ہے
نہیں کہ پہنچ چکا ہوں جس منزل تک — یاں سے سفر عدم بس اب آساں ہے

ندوۃ العلماء کا

پچاسی ۸۵ سالہ جشن تعلیمی

ندوۃ العلماء کا آغاز ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ایک ہمہ گیر علمی و دینی تحریک کی حیثیت سے ہوا اور اس نے بہت قلیل عرصہ میں پورے ملک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسے جس شان و شوکت کے ساتھ ہوتے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تحریک کی جڑیں اندرون ملک کتنی گہری، اور اس کا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر کتنا وسیع تھا۔ یہ تحریک چند بنیادی مقاصد کے لئے سرگرم عمل تھی، جن میں چند چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں :-

۱۔ علوم اسلامیہ کے نصاب تعلیم و درس اور بنیادی اصلاحات، اور نئے نصاب کی تیاری۔

۲۔ ایسے علماء پیدا کرنا جو کتاب و سنت کے وسیع و عمیق علم کے ساتھ جدید حالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔

۳۔ اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

۴۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت۔ بالخصوص برادران وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔

شکر و مسرت کی بات ہے کہ ان میں سے اکثر مقاصد میں ندوۃ العلماء کو کامیابی حاصل ہوئی، اور بالآخر دینی و علمی حلقوں نے ان کی اہمیت کو تسلیم کرلیا، اور اس زمانہ میں جب وہ ایک مدرسہ سے زیادہ تحریک و دعوت تھا۔ اس نے جدید و قدیم طبقہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا، اس نے انقلاب و اصلاح کی جو آواز بلند کی، نیز ندوہ کے فضلاء و منتسبین نے علم و دین، تاریخ و ادب، تعلیم و تربیت اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں جو نقش قائم کئے اس کا اعتراف مخالف و موافق سب کو ہے۔ بدقسمتی سے یہ مفید اور ولولہ انگیز جلسے تقریباً ۵۰ سال سے بند ہیں، اب جب کہ ندوۃ العلماء کے تعلقات پورے عالم اسلام سے استوار ہو چکے ہیں، بلکہ متعدد اسلامی ملکوں کے علمی و دینی حلقوں میں ہندوستان کا وقیع تعارف ندوۃ العلماء ہی کے ذریعہ سے ہوا ہے نیز عالم اسلام کے بدلے ہوئے حالات اور زمانہ کے تغیرات نے اس تحریک و دعوت کی اہمیت اور بڑھا دی ہے، خدا کے بھروسہ پر اس کے ۸۵ سالہ جشن کے انعقاد کا فیصلہ کرلیا گیا ہے، جس میں انشاء اللہ عالم اسلام کے چوٹی کے رہنما، اور ممتاز و نامور علماء و اہل فکر شریک ہوں گے۔ اس موقع پر اس پیغام و دعوت کو از سر نو پیش کیا جائے گا، علمی و ملی مسائل پر ندوۃ العلماء کے قیمتی تجربات سامنے رکھے جائیں گے۔ دوسرے ممالک کے اہل فکر و نظر کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا جائیگا اور یہ دکھایا جائے گا کہ نہ صرف اس ملک بلکہ عالم اسلام کے علمی، ادبی اور تہذیبی ورثہ میں اس کا حصہ کیا ہے، اور اس نے فکر و عمل کے کن شعبوں پر اپنا اثر ڈالا ہے، نئی نسل کی کس طرح فکری و ذہنی رہنمائی کی ہے اور جدید و قدیم کے دو متحارب گروہوں کو ایک دوسرے سے ملانے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس سے ہمیں اس کا بھی علم اور اندازہ ہوگا کہ ایک اقلیت والے ملک میں مسلم اقلیت اپنی دینی و علمی صلاحیت اور افادیت کا کیا ثبوت دے سکتی ہے۔ ملک کی تعمیر اور فکری قیادت میں کیا رول ادا کر سکتی ہے۔

یہ جشن انشاء اللہ بروز جمعہ، سنیچر، اتوار ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۳۱ اکتوبر، یکم نومبر، ۲ نومبر ۱۹۷۵ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے وسیع سبزہ زار میں منعقد ہوگا۔ اور تین روز جاری رہیگا۔ اجلاس میں اہل علم و اہل ذوق کی دلچسپی اور ان کی معلومات میں اضافہ کے لئے نیز ہندوستانی مسلمانوں کے علمی و تصنیفی کردار کو نمایاں کرنے کیلئے علمی نمائش اور مختلف سیمینار وغیرہ کا انتظام بھی کیا جائیگا۔

جلسہ کی تیاری اور انتظامات کیلئے ایک مستقل دفتر دار العلوم ندوۃ العلماء میں قائم کردیا گیا ہے۔

فضلاء ندوۃ العلماء اور ملک کے تمام اہل درد و اصحاب فکر حضرات سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں دفتر سے رابطہ قائم کریں، اور تاریخی جشن کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور مفید بنانے کے لئے ممکن تعاون کریں۔

(مولانا) سید ابو الحسن علی ندوی

ناظم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

جلد ۱۲ — شمارہ ۱۲

سالانہ : بارہ روپئے — فی پرچہ : ۵۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ اپریل ۱۹۷۵ء ——— ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

اسحٰق جلیس ندوی

"رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار"

"عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ کیا ہے؟" عصر حاضر کے ایک اسلامی مفکر سے کسی نے سوال کیا۔ "شخصیت کا فقدان" ——— مفکر نے جواب دیا ——— جواب مختصر تھا مگر حقیقت و معنویت سے پُر۔ نصف صدی پیشتر شاعر مشرق اقبالؒ کو "قافلۂ حجاز" میں "حسینؓ" کی تلاش تھی مگر انھیں مایوسی ہوئی ؎

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں — گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

شاعر مشرق مصر و فلسطین، عالم عربی اور دنیائے اسلام میں "مرد مسلمان" کے اذان کی گونج اور بازگشت کی آرزو و حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہوئے ؎

سُنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے — دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

عالم اسلام اور نتیجۃً پوری دنیائے انسانیت برسوں سے نہیں بلکہ صدیوں سے عبقری، قد آور اعلیٰ مقاصد اور بہتر وسائل سے مالا مال، دین و دنیا کی ہم آمیزی کی صفات سے آراستہ اشخاص کی کمیابی اور نایابی کی المناک صورتحال سے دوچار ہے ——— اس عظیم خلا کے کسی قدر پُر ہونے کے آثار جب بھی کسی شخصیت یا تنظیم میں نمایاں ہوتے ہیں تو معاً کچھ ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں کہ نخل امید بار آور ہونے سے پہلے مرجھا جاتا ہے صدیوں کی تاریخ کے بجائے صرف گذشتہ نصف صدی کی عالم اسلام کے حالات کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی کو ملت اسلامیہ کو آزمائش کی بھٹی میں کندن بنانا مقصود ہے۔ ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا کہ عالم اسلام ایک عظیم و طاقتور متحد و مضبوط بلاک کی شکل میں دو طاقتوں کے عدم توازن کے درمیان ایک متوازن طاقت کی شکل میں ابھر آئے۔ ابھی شاید وہ ساعت سعید نہیں آئی کہ کم از کم ایک تہائی دنیا اس فطری نظام زندگی اور سنہرے اصول حیات کے تحت آرام و اطمینان، امن و عافیت، خوشحالی و فراخی اور مادیت و روحانیت کی اعلیٰ ترقی سے ہم کنار زندگی گذارے اور پوری دنیا کے لئے نمونۂ عمل اور مرکز رشک بن جائے۔

چند برسوں پہلے مراکش سے انڈونیشیا تک اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار نمایاں تھے اور ایسا یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا یہ ابر کرم تمام عالم کو سیراب کر دے گا۔ مگر مشرق وسطیٰ کی اخوان المسلمون، انڈونیشیا کی مسلم ماشومی پارٹی غرض طنجہ سے جاکارتا تک پھیلی ہوئی احیائے نظام اسلامی کی تمام تنظیمیں اور شخصیتیں اپنوں ہی کے ہاتھوں پامال ہو کر رہ گئیں۔ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ خون صد ہزار انجم سے پیدا ہونے والی سحر کی امید نے ڈھارس بندھائی۔ ہم پھر منتظر ہیں کہ "مردے از غیب بروں آید" کا ظہور ہوگا۔

انتظار کے لمحات بڑے شدید اور تکلیف دہ تھے، مسلم دنیا اور عالم عرب پر اُن لیڈروں کا قبضہ تھا جن پر باکردار رہنما کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ یہ تو بے کردار ایکٹر تھے، اسٹیج کے اداکار تھے جنھوں نے اپنے دجالی فتنوں اور جاہلی نعروں سے نئی نسل کو مسحور کر دیا تھا، جن کی بدبختی، بے بصیرتی اور بد اندیشی نے عالم عرب اور دنیائے اسلام کو رسوا کن ہزیمت کا شکار کر دیا تھا، جون ۱۹۶۷ء کی شکست عالم عربی اور دنیائے اسلام میں ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ——— اس ناخدا کا سحر ٹوٹ چکا تھا جس نے عربوں کو منجدھار میں ڈال دیا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب امن و ایمان کے مرکز اور دنیا کی مقدس سرزمین حجاز نے عالم عربی اور دنیائے اسلام کو ایک نئی قیادت شاہ فیصل کی شکل میں پیش کی ——— شاہ فیصل نے اپنی خاموش حکمت عملی، تدبر، سنجیدگی، بصیرت اور ذہانت سے عالم عربی کے برسوں کے الجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے اور ۱۹۶۷ء کی ہزیمت کا داغ دور کرنے میں کامیابی حاصل کی، انھوں نے پوری رازداری سے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے رمضان ۱۳۹۳ھ کی کامرانی تک عربوں کو پہنچایا اس فتح سے عربوں میں ایک نیا حوصلہ اور نیا اعتماد پیدا ہوا، اسلام پر فخر و ناز اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ پھر تیل کو ایک موثر ہتھیار کا روپ دینے میں ان کے تدبر اور معاملہ فہمی کا اعتراف پوری دنیا نے کیا۔ سرمایہ دار دنیا اقتصادی بحران کا شکار ہوگی۔ فیصل ایک تعمیری دنیا کی تشکیل میں مصروف تھے، فیصل اسلام کو مثبت انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنے میں مصروف تھے فیصل اپنے ناخن تدبیر سے مشرق وسطیٰ کی گتھیوں کو سلجھانے میں ہمہ تن منہمک تھے، فیصل دنیا کے کروڑوں انسانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز تھے فیصل عالم اسلام میں ایک ایسی شخصیت بن کر ابھرے تھے جن کا صدیوں سے تاریخ، زمانہ اور قوم کو انتظار رہتا ہے۔ فیصل نے عالم اسلام کی زمام قیادت تاریخ کے ایک نازک موڑ پر سنبھالی اور جب اپنی اہمیت، ضرورت، خلوص و سچائی، حکمت و تدبر کا نقش دلوں پر قائم کر چکے تو عین اس وقت انھوں نے دنیائے فانی کو خیرباد کہا جب کہ عالم عربی کی سیاسی صورت حال نازک موڑ پر ہے اور فیصل کے تدبر اور رہنمائی کی محتاج شخصیت کے فقدان اور نایابی کا شکار عالم اسلام اس حادثہ پر خون کے آنسو بہا رہا ہے، غم و افسوس کر رہا ہے۔ ہماری ہاری ہوئی بازی کو جیت سے بدل دینے والی شخصیتیں مسلم ممالک میں ناپید ہیں۔ ایسے تاریک دور میں امید کا وہ ٹمٹماتا چراغ جو مینارۂ نور ثابت ہو رہا تھا اچانک گل ہو گیا حادثہ سخت ہے اور ہر مومن کی تعزیت کا مستحق۔ مگر ملت کی تاریخ ایسے ہی دردناک سانحات سے عبارت ہے، حضور اکرمؐ کی رحلت سے لے کر آج تک یہ امت اپنے کتنی بیش بہا اور محبوب شخصیتوں کا زندگی کے نازک ترین موڑ پر صدمۂ جدائی اور داغ مفارقت برداشت کر چکی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت و رضا ہی میں اس نے صبر و ڈھارس پائی ہے ——— یہ تازہ حادثہ بلاشبہ سخت ہے اور ناقابل برداشت۔ مگر اس کی رحمت سے کیوں مایوسی ہو جو خود اپنے بندوں کو قدم قدم پر پُر امید رہنے کی تاکید فرماتا ہے اور مایوسی سے بچنے کا حکم دیتا ہے خدا تعالیٰ مرحوم شہید پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، عالم اسلام کو بھی اپنی چادر رحمت سے ڈھانپ لے۔ اور شاہ فیصل شہید کا نعم البدل عطا فرمائے۔

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

کلام الٰہی میں "وما تدری نفس بای ارض تموت" جیسی بلیغ اور انسان کے اپنے مستقبل سے بے خبری کی تصویر کشی کرنے والی آیت کی ہماری عملی زندگی میں تفسیر کا عمل آج تک برابر جاری ہے۔ مولانا عامر عثمانی مرحوم اور ان کے عزیزوں اور دوستوں کو اس کا کب گمان ہوگا کہ اپنے مرکز یوم دیوبند جیسے مرکز علم و دین سے دور جہاں دارالخیر کے دور دراز مقام پونا میں صرف ۵۵ سال کی عمر میں ان کا وقت آخر آپہنچے گا۔ وہ پونا کے ایک مشاعرہ میں جان جان آفریں کے سپرد کریں گے اور بمبئی جیسے صنعتی مرکز اور ہنگامی شہر میں ان کی تدفین ہوگی۔

مرحوم کی عمر اگرچہ ۵۵ سال ہو چکی تھی مگر ان کا قلم جوان تھا، عمر کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر میں پختگی تو آرہی تھی مگر اس کی شگفتگی اور دلنشینی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ عامر عثمانی کا قلم تنہا "ملا ابن العرب مکی" کے لبادہ میں بانکا و بیباک تیکھا تھا بلکہ سنجیدہ علمی موضوعات اور تحقیقی مضامین میں بھی طنز و مزاح کی چاشنی بدرجۂ اتم موجود تھی۔

عامر صاحب ایک علمی و دینی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے مگر ان کی شہرت میں ان کی خاندانی وراثت سے زیادہ ذاتی کمالات اور خوبیوں کو بڑا دخل تھا۔ علم و ادب اور جام شریعت اور سندان عشق کی ہم رنگی نے انھیں اپنے معاصرین میں ممتاز کر دیا تھا۔ سفر زندگی میں ایسے جدا ہو گئے کہ ہم راہیوں کو منانے کا موقع بھی نہیں ملا۔ غریب الوطنی میں پیغمبرؐ کے حضور حاضر ہو گئے۔ ایسے انسان کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

پاسبانِ حرم کی شہادت پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں جلسۂ تعزیت

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی کا خطاب

کسی بادشاہ یا والیٔ سلطنت کی
ات کوئی نیا اور انوکھا حادثہ نہیں، اس قسم کے واقعات
ر حادثات دنیا میں بہت پیش آتے رہتے ہیں، بادشاہ دنیا
رخصت بھی ہوتے ہیں وہ تخت و تاج سے محروم بھی کئے جاتے ہیں
خادم حرمین کی شہادت جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہ جگہ ہو
ان آنکھوں کی بارش سے کام لیا جائے تو روا ہے، اگر حرم کے
خاکروب یا سقہ کا بھی انتقال ہو تو ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہر
مان اسے اپنا غم سمجھے اور وہ تو خادم الحرمین تھے نہ صرف
دم الحرمین بلکہ کتنے فتنوں کے لئے سد سکندری۔ میں یہ نہیں
کہ وہ عمر بن عبد العزیز تھے یا سلطان صلاح الدین ایوبی
ہم نے کبھی ان کے سامنے بھی اس قسم کی بات نہیں کہی،
بشر تھے کمزوریاں بھی تھیں، بہت سی خامیاں بھی تھیں لیکن
والی بہر حال ان کو حاصل تھی، یہاں بیٹھ کر صحیح اندازہ
کیا جا سکتا کہ اس شخص نے پچھلے چند برسوں میں دنیا میں
بوں اور مسلمانوں کا وقار اور وزن کتنا بڑھا دیا تھا، وہ
وں کی آبرو تھے اس مختصر سے عرصہ میں انہوں نے اپنی ذکاوت
ت، دانشمندی اور فراست اور سوجھ بوجھ کے ذریعہ
وزیشن حاصل کر لی تھی کہ بڑی طاقتوں کو ان کے سامنے
پڑا داخلی اور خارجی ہر قسم کے فتنے ان کو اور ان کے
کو گھیرے ہوئے تھے، ایک طرف عراق کا کمیونسٹ نواز ملک
یمن میں ایسی اسلام دشمن حکومت کہ اس کی مثال نہیں
ابھی حال میں صومالیہ میں جو کچھ ہوا وہ تاریخ اسلام میں کبھی نہیں
دس علماء کو حکومت کے بعض مخالف اسلام و قرآن قوانین
تنقید کرنے کے جرم میں زندہ جلا دیا گیا، بورقیبہ نے اسلام کے
میں بر سر عام جو گل افشانیاں کیں ان سے کون واقف نہیں
، اسلام دشمنی کے اس دور میں یہی ایک شخص تھا جو اپنے
ف پر قائم تھا جو قرآن اور اسلام کا نام فخر سے لیتا تھا
ورے اعتماد و یقین کے ساتھ کہتا تھا کہ ہاں ہمارے
قرآن کا قانون نافذ ہے اس دور میں کس کا دل و جگر ہے
ترقی پسند زمانہ میں کھل کر کہہ سکے کہ بیشک اسلام کا نظام
عالمگیر ہے ہمارا دستور قرآن ہے ہمارا قانون شریعت
اس شخص کے جگر میں سارے جہاں کا درد تھا، جہاں بھی مسلمانوں
ہو یا فلپائن میں عیسائی مسلم جنگ ہو، اریٹریا میں مسلمانوں
ت کا پیمانہ ٹوٹے یہ پہلا شخص تھا جو اظہار ہمدردی کرتا تھا
کسی مبالغہ کے ان کے لئے اپنی دولت کے خزانے کھول دیتا تھا۔

ایک پہلو اور بھی ہے جو علوم دینیہ کے طالب علم اور نمائندہ
حیثیت سے ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے وہ یہ کہ تاریخی حقیقت
ہے کہ اللہ نے اس امت کی تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ وہ بڑی
بڑی اور قیمتی ہستیوں کا سانحہ برداشت کر سکے، غزوۂ احد
میں حضور کی شہادت کی خبر تو ایک مشق تھی آنے والے اس حادثہ
کی جسے حضرت عمرؓ جیسے قوی اعصاب کے مالک برداشت
نہ کر پائے تھے، پھر خلفائے راشدین میں چار میں سے تین خلفاء

اسی راہ سے گئے، حضرت عمرؓ کی شہادت سے بڑھ کر کوئی حادثہ
نہیں ایسے نازک دور میں جب مسلمانوں کو فاروق اعظم کی شدید
ضرورت تھی ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ملت نے اس واقعہ
کو بھی برداشت کیا اس امت کے ساتھ خدا کا معاملہ کچھ ایسا
ہی ہے امت کو یہ سبق بار بار دیا جاتا رہا ہے اس بات سے
ہمیں اللہ پر یقین ہے کہ وہ ہماری دستگیری فرمائے گا، موجوں
کا کیا ہے وہ آتی ہیں گذر جاتی ہیں لیکن دریا کے تسلسل پر
کوئی اثر نہیں پڑتا وہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے یہ بھی ایک موج
تھی بے قراری تڑپ اور گذر گئی۔

تاہم یہ واقعہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ دولت عثمانیہ
کے زوال کے بعد سب سے اہم اور دور رس نتائج رکھنے
والا واقعہ ہے دو چار برس بعد یہ واقعہ ہوتا تو ممکن تھا
کہ اس کا یہ اثر نہ محسوس ہوتا لیکن اس وقت دنیا کی نگاہیں
اُن پر تھیں۔ موجودہ حالات میں ان کی شاہ کلید کی حیثیت تھی
اسلام کے وہ پشت و پناہ ہو گئے تھے۔ حجاز کی پاسبانی
اور حرمین کی حفاظت اور بعض اہم ترین اسلامی مقدسات کی
وکالت ان کی ذات میں جمع ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے انکی
ذات میں ایک قسم کی دلآویزی اور محبوبیت پیدا ہو گئی
تھی، یہ قائدانہ خصوصیات کسی بھی اسلامی ملک کے قائد میں
جمع ہو سکتی ہیں لیکن ان کی اہمیت کو خادم حرمین والی حیثیت
نے بہت زیادہ بلند کر دیا تھا۔ اسلامی تاریخ کا یہ تجربہ ہے
کہ ایک ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا طلوع ہوتا ہے۔
امت اس گردش لیل و نہار کی عادی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ
کوئی اور موج اس دریا سے اٹھے گی اور کسی اور سمت سے
کوئی ستارہ طلوع ہو گا۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

وہ ستارہ کہاں سے طلوع ہو گا کس افق پر نمودار
ہو گا ہم نہیں جانتے لیکن اللہ کی ذات سے ہمیں یہی امید ہے۔
وہ ایک بادشاہ تھے لیکن کسی عام بادشاہ پر ان کو
قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ان کی سادگی، تواضع،
نماز کی پابندی اچھے اچھے مسلمانوں میں بھی دیکھنے میں نہیں
آتی۔ کہیں زخم لگے، کوئی بے چین ہو سب سے پہلی آواز اس کی
حمایت میں اسی کی اٹھتی تھی افریقہ جس طرح تیزی سے اسلام
کی جھولی میں آ رہا تھا اور یورپ کی مشنریاں فریاد کناں تھیں
وہ سب انہیں کی دلسوزی کا نتیجہ تھا یوگنڈا میں ان کے
دورے کا منظر دیکھ کر کئی سو عیسائی مسلمان ہو گئے افریقہ
میں اسلام کی اشاعت انہوں نے اپنی ذاتی ذمہ داری بنا لی
تھی وہ اس کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بعض اوقات لوگ ان سے
غلط فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ ہم نے ان کے جود و سخا کو کئی بار
"غلط بخشی" کا نام بھی دیا تھا یہاں معمولی ذمہ دار [illegible]
تھا آسان کام نہیں لیکن وہ شخص جس کی رائے پر اعتماد کیا

کی نگاہیں لگی رہتی تھیں اس کے پاس
ایک مسلمان اپنی ضرورت کے لئے کبھی
زیادہ آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا تھا آخر
میں ان کی گفتگو بالکل واعظانہ ہو گئی تھی
آپ انہیں دیکھتے تو کسی عام عرب سے
زیادہ نہ سمجھتے اور کام کی دھن اتنی
کہ ۱۸-۱۰ گھنٹے کام کرتے تھے۔

بہر حال اب جب وہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ہمارا
سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام
کریں ان کے لئے دعائے مغفرت کریں ... ...
... ... اس وقت وہ اس
عالم میں ہیں جہاں ان کو ایک عام مسلمان کی پُر خلوص دعا اور
ایصال ثواب کی حاجت ہے ہر مسلمان پر ان کا جو حق ہے اس
کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم یاد کر کے ان کے لئے ایصال ثواب کرتے
رہیں اور ان کی مغفرت اور رفع درجات کے لئے خدا کے
حضور میں دعا کریں۔

آخر میں حاضرین سے مولانا منظور صاحب نعمانی نے
خطاب فرمایا۔ مولانا نے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے
ہوئے کہا کہ فیصل جیسا قادر الکلام اور حالات حاضرہ پر
نظر رکھنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ مرحوم کی ابتدائی زندگی
بالکل معمولی تھی ان کے پاس اتنے کپڑے بھی نہ تھے کہ ہفتہ سے
دوسرے ہفتہ بدل لیں، انہوں نے بتایا کہ جب حجاز میں عبد العزیز
کی حکومت قائم ہوئی تو شاہ فیصل اور ان کے بڑے بھائی
سعود ہر جمعہ کو فجر کے بعد گھوڑے پر سوار ہو کر جدہ آ جاتے
تھے اور وہاں شیخ نصیف کے ہاں جو بہت دولت مند آدمی تھے
کپڑے تبدیل کرتے اور ان کی فراہم کردہ آسانیوں سے فائدہ
اٹھاتے جدہ اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ ۴۰ میل کا ہے۔

اسی طرح سعودی حکومت جب قائم ہوئی تو حکومت
کے پاس اتنی دولت تک نہیں تھی کہ وہ سرکاری اخراجات
پورے کر سکے۔ اس لئے سرکاری کام شیخ نصیف سے قرض
لے کر پورے کئے جاتے تھے اور حج کی آمدنی سے اس کو ادا
کر دیا جاتا تھا۔

مولانا نے بتایا کہ ایک مرتبہ شاہ فیصل، امریکہ
گئے تھے، اس وقت وہاں کسی نے اسلامی قوانین کے متعلق
غلط خیالات کا اظہار کیا اور چوری وغیرہ پر ہاتھ کاٹنے کو
بطور نظیر پیش کیا تو اس وقت شاہ نے اپنے سکریٹری سے
کہا کہ ہمارے دس سال کے اعداد و شمار دے دو جوان کے
ایک دن کے اعداد و شمار سے بھی بہت کم نکلے۔

آخر میں مولانا نے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائی
اور ایصال ثواب کیا۔

ندوۃ العلماء کا ۸۵ واں اجلاس
۳۱ اکتوبر و یکم و ۲ نومبر ۷۵ء کو انشاء اللہ منعقد ہو گا
تفصیلات کے لیے
دفتر اجلاس ندوۃ العلماء سے رابطہ پیدا کیجئے۔

"انسان کا معیارِ ترقی و کمال اور انسانیت کی معراج کیا ہے؟ اسکا جواب صرف ہم دے سکتے ہیں"

"غیرتِ دینی اور علمی خودداری ہمارا شعار ہونا چاہیے"

(مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

(۴ تا ۶ اپریل ۷۵ء دار العلوم ندوۃ العلماء میں ندوۃ العلماء اور
دار المصنفین کی انتظامی کمیٹیوں کے اجلاس ہوئے۔ اس موقع پر ملک کے مختلف
گوشوں سے مشاہیر علماء ندوہ تشریف لائے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے طلباء ندوۃ العلماء کی انجمن الاصلاح نے مہمان علماء اور مشاہیر کو طلباء
سے خطاب کی دعوت دی۔ اسی قسم کے ایک جلسہ سے جس کا انتظام انجمن الاصلاح
اور سلیمانی ہوسٹل کے طلباء نے کیا تھا مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی
(مدیر ماہنامہ برہان) نے خطاب فرمایا۔ یہ تقریر سعید لبتوی متعلم درجۂ
ہفتم عربی نے اپنی یادداشت سے قلمبند کی۔ اس تقریر کی اہمیت اور افادیت
کے پیش نظر ہم نذر قارئین کر رہے ہیں ——)

سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا کہ آپ نے
مجھ کو اپنے یہاں مدعو فرمایا۔ آپ کی جمعیۃ الاصلاح خواہ
وہ کلاں ہوں یا خورد، دونوں کی عربی مدارس کی تمام
جمعیات میں وہی اہمیت ہے جو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی یونین کی۔
خود علی گڑھ یونیورسٹی کی اہمیت تو ہے ہی مگر جس شخص کو یونین
اپنے یہاں مدعو کرے اس کے لئے نہ صرف باعث فخر بلکہ باعث
اہمیت بھی ہوتا ہے اسی طرح آپ کی جمعیۃ الاصلاح میں جس شخص
کو آنے کا شرف حاصل ہو یقیناً اس کے لئے باعث اہمیت ہے۔

ابھی آپ سے میرا تعارف کرایا گیا اس قسم کے حادثات
سے اکثر دو چار ہوتا رہتا ہوں اس موقع پر میں بڑی پریشانی
میں پڑ جاتا ہوں نہ تصدیق کر سکتا ہوں نہ تکذیب اگر تصدیق
کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بارے میں غلط فہمی میں
مبتلا ہوں اور اگر تکذیب کروں تو ایک صاحب علم شخصیت کی
جانب کذب کو منسوب کروں۔

اللہ نے آپ کے اوپر بڑے فضل اور بڑے انعامات
فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے آپ پر فرمائیں ان
میں اس کا ایک بہت بڑا کرم اور اس کی نعمت یہ ہے کہ آپ کو
حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی جیسی صاحب علم بزرگ کی
رہنمائی اور سرپرستی حاصل ہے ہو سکتا ہے آپ مولانا کی علمی
اہمیت اور ان کی صحیح قدر و قیمت امت میں ان کے مقام سے
کم واقف ہوں اس لئے کہ مشہور عربی محاورہ "صاحب البیت
ادری بما فیہ" کے ساتھ اردو میں یہ مثل بھی مشہور ہے
گھر کی مرغی دال برابر۔ لیکن ان کے کام کی صحیح قدر و قیمت وہی
لگا سکتا ہے جس کی ان کے چالیس پچاس سال کے کام پر نظر ہو
اور وہی اس کی اہمیت کو جان سکتا ہے خاص طور پر انگریزی داں
طبقہ کے ذہن پر مغربی تہذیب کے کیا اثرات تھے کتنی گمراہیاں
تھیں لیکن ایک طبقہ پیدا ہوا اس طرح کے طبقے ہر زمانے میں پیدا
ہوتے رہے ہیں، قاہرہ میں، مراکش میں، ہندوستان میں۔
اگرچہ میں اپنے معاصرین کے متعلق زیادہ تعریفی کلمات نہیں کہتا
ہوں مگر اس کے اعتراف میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتا
ہوں کہ ہند و پاک میں دو شخصیتوں کا کام بہت اونچا رہا ہے

انہوں نے مغربی تہذیب سے پیدا شدہ مرعوبیت کو ختم کرنے میں
اہم رول ادا کیا ان کا افادہ صرف ہند و پاک تک ہی محدود
نہ رہا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے بلاد عربیہ و افریقہ اور یورپ
کے ممالک تک پہونچا کیونکہ ان کی تصنیفات صرف اردو میں ہی
نہیں ہیں بلکہ انگریزی اور اُردو میں بھی ہیں۔

میں تو بہت آوارہ گرد آدمی ہوں مختلف ممالک میں
گھوما ہوں میں نے دیکھا ہر ملک میں ایک طبقہ نوجوانوں کا پیدا
ہوا ہے جو اسلامی ذہن اور دینی حمیت کو لے کر اٹھا ہے۔
میں نے ان میں سے جس سے بھی پوچھا یہ دینی حمیت اور اسلامی
ذہن آپ کا کیسے بنا تو کسی نے کہا مولانا ابو الحسن علی ندوی کی
تصنیفات پڑھ کر کسی نے کہا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریر
سے متاثر ہو کر۔ آپ اتنے بڑے انقلابی بزرگ کی رہنمائی
و سرپرستی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس پر جتنا بھی فخر کریں
کم ہے۔

آپ نے جب مجھے دعوت دی تھی اس وقت تقریر کا لفظ
نہیں کہا تھا بلکہ نصیحت کہا تھا اگرچہ میں نصیحت کرنے کا مستحق
نہیں ہوں مگر آپ سے بڑا ہوں آوارہ گرد ہوں اس وجہ
سے تجربہ بھی زیادہ ہے اور آپ سے زیادہ پڑھا بھی ہے
لہٰذا کچھ عرض کرتا ہوں۔ نصیحت ان امور سے متعلق نہیں ہوتی
جو بالفعل موجود ہوں۔ مثلاً آپ نماز پڑھتے ہیں اب میں آپ
کو نماز کا مشورہ دوں، آپ روزہ رکھتے ہیں اسکے متعلق
آپ سے کچھ کہوں تو یہ نصیحت میں شامل نہ ہو گا بلکہ نصیحت ان
امور ان عادات و خصائل سے متعلق ہوتی ہے جو ہونی چاہئیں
مگر نہیں ہیں تو جب ان امور کے بارے میں نصیحت ہو گی تو لازمی
طور پر اس میں کچھ تلخی بھی ہو گی بعض وہ باتیں بھی ہوں گی جنکو
آپ پسند نہ کریں گے مگر مجھے امید ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے اور
اس پر عمل کی کوشش بھی کریں گے۔

یہ بات خوشی کی ہے مدارس عربیہ کی آجکل بہت
کثرت ہے ان میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے طلباء کی زیادتی
اساتذہ کی کثرت اور بجٹ میں اضافہ دیوبند کا بجٹ تقسیم ہند
کے وقت ایک لاکھ تھا اب ۸۸ لاکھ ہے اسی طرح ندوہ کا

مسئلہ ہے، یہی دو اہم اور بنیادی مدرسے ہیں جن سے اور
چھوٹے چھوٹے مدارس وجود میں آئے اور برابر ان کی تعداد
میں اضافہ ہو رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ مدارس عربیہ میں
اساتذہ و طلباء کی کثرت ہے۔ ایک چیز ہے جسے میں محسوس
کرتا ہوں تو مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے ان کو دو لفظوں میں
بیان کیا جا سکتا ہے اور انہیں دو لفظوں پر میں اپنی گفتگو
کی بنیاد رکھوں گا ایک غیرت دینی دوسرا علمی خودداری،
مدارس عربیہ میں ایک طرف غیرت دینی اور دوسری طرف علمی
خودداری کا فقدان اور اس کا انحطاط عام ہے۔ آپ
کہیں گے کیسے یہ چیزیں کم ہیں بھلا ہمارے اندر غیرت دینی نہ ہو گی؟
تو میں عرض کروں گا غیرت خودداری کا تعلق ہے اس کی اہمیت
کو سمجھنا جس سے آپ کا تعلق ہے اس کی صحیح قدر و قیمت اسکے
صحیح مقام کو پہچاننا اور اس کے جو آثار اور نتائج ظاہر ہونے
چاہئیں آپ کے اعمال میں، آپ کی زندگی میں آپ کے میلانات
و مرغوبات میں، ان کا ظہور اگر آپ کے اعمال و میلانات
میں وہ آثار نمایاں ہیں جو اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو
پہچاننے سے پیدا ہونے چاہئیں تو یقیناً آپ کے اندر غیرت دینی
ہے اور اگر زبان سے تو آپ دعویٰ کرتے ہیں مگر آپکے اعمال،
آپ کے میلانات میں وہ آثار نمایاں نہیں ہیں تو اس کا مطلب
ہے کہ آپ کے اندر غیرت دینی کی کمی ہے۔ اس موقع پر ایک
واقعہ کی یاد دہانی کراؤں جب ندوہ کا نواں جلسہ ہوا تو اس
وقت غیر منقسم ہندوستان کے اکابر مولوی حبیب الرحمن خان
صاحب شروانی رئیس بھیکن پور۔ خان بہادر شیخ اطہر علی صاحب،
شاہ محمد سلیمان صاحب، مسیح الزماں خانصاحب، مولوی شیخ
محمد صاحب یمانی مولوی سید عبد الحئی صاحب وغیرہ حضرات
موجود تھے اس وقت علامہ شبلی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا جسکے
شروع کے اشعار یہ تھے ؎

اے کہ پرسی چہ کسانیم و چہ ساماں داریم
انچہ با ہیچ نیرزد بجہاں می داریم

ہم ایک ایسی متاع کو اسی پونجی کو لیکر بیٹھے ہیں جسکی
دنیا میں کوئی قیمت کوئی ویلو نہیں ہے اہل دنیا کی نظر میں اسکی
کوئی اہمیت نہیں ہے وہ کہتے ہیں بھلا یہ بوریہ نشین ملا دنیا میں
کیا کریں گے دنیا کی کیا قیادت کریں گے جن کے پاس دو وقت کی
روٹی بھی نہیں۔ اہل دنیا ہماری اس متاع کو ہیچ سمجھتے ہیں پھر
فرماتے ہیں:-

ما نہ آنیم کہ دیہیم سکندر طلبیم
ما نہ آنیم کہ اورنگ سلیماں داریم
ما نہ آنیم کہ بر شیوۂ ارباب حشم
دولی و را بہ در دولت سلطاں داریم
ما نہ آنیم کہ با حاجب و درباں باشیم
ما نہ آنیم کہ بام و در و دیوان داریم

ما نہ آنیم کہ با مسند و بالیں نازیم
ما نہ آنیم کہ سنجاب و شبستاں داریم

جبکہ ہم وہ ہیں کہ نہ سلاطین کے طریقوں کو جانتے ہیں نہ نوابوں کے دربار کو۔ ہمارے پاس نہ محل ہیں نہ کوٹھیاں نہ بنگلے ہیں اور نہ جاہ وحشم ہے ؎

خاکساران جہانیم واز اسباب جہاں
بوریا است کہ در کلبۂ احزاں داریم

ہم تو غریب ہیں زمانہ کے نہ ہمارے پاس امراء کی طرح ساز و سامان ہے نہ نوابوں کی سی شان و شوکت، ہمارے گھر میں تو چٹائیاں اور بوریاں بچھی ہوئی ہیں، پھر کہتے ہیں ہمارے پاس نہ ملٹن کا ادب ہے نہ شکسپیر کی زبان اور نہ ہمارے پاس جگر کا فلسفہ ہے اسی طرح بڑے بڑوں کا نام گناتے چلے جاتے ہیں پھر کہتے ہیں ہم ان چیزوں کے تو مالک نہیں ہمارے پاس دنیا کا ساز و سامان اور ظاہری زیب و زینت تو نہیں ہے مگر ہم قرآن و حدیث کے حامل ہیں اس وراثت کے حامل ہیں جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے ہم تو پوری دنیا کے لئے روشنی ہیں ظلمتوں کو دور کرنے اندھیروں کو ختم کرنے ظلم و زیادتی کا قلع قمع کرنے اور انسانیت کو جلا بخشنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ فلاں مشین کس طرح بنتی ہے، فلاں مشین کے استعمال کا کیا طریقہ ہے یہ تو ہمیں یقیناً نہیں آتا مگر انسان کا معیار ترقی اس کا معیار کمال اور انسانیت کی معراج کیا ہے؟ اس کا جواب کسی دوسرے پاس نہیں ہے اس کا جواب صرف ہم دے سکتے ہیں۔

عزیز طلبا! درحقیقت دو ہی راستے ہیں جو آپ کو طے کرنے ہیں ایک تعلیم جدید، دوسرا تعلیم قدیم، تعلیم قدیم جسے آپ حاصل کر رہے ہیں اور تعلیم جدید کے لئے بڑے بڑے کالج بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں، اس میں بڑی بڑی عمارتیں ہیں، آپ کے پڑوس ہی میں لکھنؤ یونیورسٹی ہے اس میں عظیم الشان عمارتیں طلباء کے لئے بہترین ہاسٹل ہیں وہاں لیکچرر اور پروفیسرس کے پاس عظیم الشان بنگلے اور کاریں ہیں آپ کے یہاں نہ بڑی بڑی عمارتیں ہیں نہ آپ کے اساتذہ کے پاس موٹر اور بنگلے ہیں وہ پڑھ کر نکلتے ہیں کوئی کلکٹر کوئی ڈپٹی کلکٹر، کوئی کمشنر کوئی وزیر اعلیٰ اور کوئی صدر جمہوریہ ہو جاتا ہے اور آپ فارغ ہوتے ہیں تو عالم دین کہلاتے ہیں اب دیکھئے دونوں میں کس کی فتح اور کس کی شکست ہوئی کون جیتا اور کون ہارا کس کی قیمت زیادہ اور کس کی کم ہے؟

حجاج نے عبد اللہ بن زبیر کو قتل کر کے ان کا سر لٹکا دیا ان کی ماں آئیں سر دیکھ کر فرمایا کیا ابھی اس شہسوار کا وقت نہیں آیا کہ وہ اپنی سواری سے اترے۔ حجاج نے یہ سنا تو ان سے کہا کہ جا ورنہ تیرا بھی یہی حشر ہوگا جو تیرے بیٹے کا ہوا۔ حضرت اسماء نے یہ سنکر فرمایا کیا تو سمجھتا ہے کہ تو فاتح اور میرا بیٹا مفتوح ہے؟ میرے بیٹے نے شکست کھائی ہے؟ تو کامیاب اور وہ ناکام ہوا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ کامیاب ہوگیا ہے اور تو ناکام و نامراد ہوا ہے۔ شکست تیری ہوئی ہے تو نے میرے بیٹے کی دنیا خراب کی ہے اور بیٹے نے تیری آخرت خراب کی ہے، حقیقتاً تیرا خسارہ ہوا ہے دنیا تو چند روزہ ہے اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ دنیا کا عیش اور اس کی زندگی کتنی وقتی ہے ؎

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ تصور یہ ایمان و یقین یہی حقیقی اور باقی رہنے والی چیزیں ہیں باقی اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ چند روزہ اور فانی ہے اس کی کوئی حقیقت کوئی قیمت اور کوئی ویلیو نہیں ہے۔ قرآن نے توحید خداوندی اور صفات باری تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ اسی کو بیان کیا ہے، مسلمانوں نے اسی ایمان و یقین کی بدولت پوری دنیا کی تاریخ بدل دی۔ بدر میں صرف ۳۱۳ آدمی تھے وہ بھی نہ ان کے پاس لڑنے کے لئے ہتھیار نہ سواری کے لئے جانور زیادہ پانچ تلواریں لے جنگ کر رہے تھے مگر انہوں نے ساڑھے نوسو بہادروں کے صحیح معنی میں چھکے چھڑا دیے۔ یہ واقعات تاریخ اسلامی میں بار بار دہرائے گئے ہیں۔

یہ ہے حقیقی قدر اور یہ ہے حقیقی ویلو۔ اس کو سامنے رکھنا چاہئے اس کو اپنا نصب العین بنانا چاہئے "کلا بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة" تم نے آخرت کو تو بھلا دیا اور دنیا کی چند روزہ روشنی سے چپٹے ہوئے ہو ہمارے پاس بلڈنگیں اور بنگلے نہیں ہیں کوٹھیاں اور محل نہیں ہیں ہمارے پاس کاریں اور جدید قسم کی مشینیں نہیں ہیں مگر ہم وہ کام انجام دے رہے ہیں جس سے نبی اکرم صلعم کے کام کی تکمیل اور اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔

دنیا جن ظلمتوں میں پھنسی تھی اللہ نے رسول کے ذریعہ ظلمتوں کی جگہ نور، بے عملی کی جگہ حسن عمل اور حسن کردار پیدا کیا دنیا کو راستہ نہ مل رہا تھا انسان سیدھے راستے سے بھٹک چکے تھے وہ بھیڑیے بن گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مقام انسانیت کو عطا کیا جس کی وہ مستحق تھی۔

آج بڑے بڑے ادارے اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں مگر یہ سب ہمارا دیا ہوا ہے "إني جاعل في الأرض خليفة" اور "ولقد كرمنا بني آدم" کہہ کر یہ یقین پیدا کرا کر کہ تم افضل ہو یہ بتایا کہ تم ان کو معبود و مسجود بناتے ہو جو تمہارے لئے پیدا ہوئی تھیں یہ آگ یہ بیل کے یہ پتھر یہ سب تو ہیں ہی ہم نے تو شمس و قمر کو بھی تمہارے لئے پیدا کیا ہے "وسخر لكم الشمس والقمر" تو اسلام نے انسان کا مقام بلند کر دیا یہ سیارے، یہ بادل یہ جمادات، یہ سمندر یہ سب تمہارے لئے پیدا ہوئے ہیں تو مسلمانوں میں شوق پیدا ہوا اس کو کس طرح کام میں لائیں تسخیر کا مطلب ہے مٹھی میں دے دینا، صرف روشنی حاصل کرنا صبح سے شام تک اور گرمی حاصل کر لینا اس سے تو تسخیر نہیں ثابت ہوتی تسخیر اسی وقت جب آپ کو معلوم ہو کہ اس کی پراپرٹی کیا ہے اس کی قوت و مادیت کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو اسے کیونکر کام میں لایا جا سکتا ہے، یہی وہ جذبہ تھا جو مسلمانوں میں پیدا ہوا جس سے انہوں نے فلکیات میں، سائنس میں قدم بڑھایا اور دنیا کو ترقی کی نئی راہ عطا کی آج تمام ادارے یونیورسٹیاں، کالجز اور انسٹی ٹیوٹس اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہماری تمام جدید ترقیوں کی بنیاد وہ تمدن ہے جس کو مسلمانوں نے اندلس میں فروغ دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان صرف ایک طبقہ، ایک قوم یا ایک ملک پر نہیں ہے بلکہ آپ کا احسان تمام عالم کے لئے ہے اس وقت سے اب تک جاری و ساری ہے جس طرح اللہ کا رب العالمین ہونا جاری و ساری ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا جاری و ساری ہے اس میں کوئی توقف نہیں ہے۔

آج موجودہ دنیا کو انجمن اقوام متحدہ کے انسانی حقوق چارٹر پر بڑا ناز ہے آج وہ اس حقیقت پر پہونچے کہ سب برابر ہیں خواہ کالے ہوں یا گورے، امریکی ہوں یا ریڈ انڈین، آقا ہوں یا غلام معاشی انصاف کا احساس آج صدیوں کے گذرنے کے بعد پیدا ہوا اگر یہ آواز ہے کس کی؟ اس کی ابتدا کب ہوئی؟ کس نے فاران کی چوٹیوں سے سب سے پہلے دنیا کو یہ پیغام دیا تھا؟ یہ گونج ہے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی، ان کے پیغام کی، آپ نے پہلے ہی دن فرما دیا تھا، "الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على ابيض ولا لأبيض على اسود كلكم من آدم وآدم من تراب" (أو كما قال عليه السلام)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا جاری و ساری ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں ہے خواہ کوئی مسلمان ہو یا نہ ہو وہ اس سے متاثر ضرور ہوگا۔ جب کوئی موومنٹ (تحریک) پیدا ہوتی ہے اور قوی ہوتی ہے تو پورے عالم پر اس طور پر چھا جاتی ہے کہ لوگ شعوری و غیر شعوری طور پر اس سے متاثر ہوتے ہیں اور زندگی کے کسی لمحہ میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ہیں مثلاً میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ رونے لگے میں نے کہا حضرت کیا تکلیف ہے فرمانے لگے تم کہتے ہو تہذیب نو کے اثرات صرف علیگڈھ تک ہیں وہ تو اس قدر گہرے ہیں کہ زبدۃ المتقین فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے گھر تک میں پہونچ چکے ہیں پھر فرمایا جب میں چار برس کا تھا تو مجھے تمام دعائیں یاد تھیں بہت سی سورتیں یاد تھیں نماز پڑھنا جانتا تھا والد صاحب میری انگلی پکڑ کر مجھے مسجد لے جایا کرتے تھے اور ایک علامہ انور شاہ کشمیری صاحب ہیں انھوں نے ایکبار بھی اپنے صاحبزادہ قیصر شاہ سے نماز کے لئے نہیں فرمایا چونکہ آخر عمر میں حضرت کا ردِ قادیانیت کا بہت زور تھا فرمانے لگے اگر میرا لڑکا قادیانی ہوگیا تو میں کیا جواب دوں گا مغربی تہذیب کا اثر میرے اوپر بھی ہے ہر شخص پر ہے ہر شخص اس سے متاثر ہے اس فضا سے متاثر ہے۔ میں نے یہ واقعہ اس وجہ سے سنایا کہ جسطرح مغربی تہذیب چھا گئی اسی طرح جب کوئی تحریک قوی ہوتی ہے اس میں اثر ہوتا ہے تو وہ اس شدت کے ساتھ پھیلتی ہے کہ ہر شخص اس سے متاثر ہوتا ہے، وہ لوگ جو اس کو گالیاں دیتے ہیں اس کے مخالف ہوتے ہیں وہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ انگریز چلا گیا انگریزی چلی گئی مگر کیا اس کی تہذیب اس کا تمدن اس ملک سے ہٹ گیا؟ نہیں وہ اب بھی موجود ہے ہمارا پورا دستور برطانی دستور کے مطابق ہے۔ ہر تحریک جو زندہ، قوی اور فعال ہوتی ہے سب پر اثر کرتی ہے اس طرح یہ قطعاً تعجب کا مقام نہیں ہے کہ یہودی، عیسائی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور اسلام کو نہ ماننے کے باوجود اس تحریک کی جس سے یہ فضا پیدا ہوئی ہے تعریف کرتے ہیں،

انگریزی ادب پورا کا پورا اسلامی تعلیمات سے بھرا ہوا ہے شکسپیر کی نظموں میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور اسکے تمدن کو پیش کرتا ہے اور اسی سے متاثر ہے جرمنی کے مشہور شاعر نے نعت کا اتنا بہترین شعر کہا جس کا کوئی جواب نہیں، وہ کہتا ہے۔ "کیا قدرت نے تجھ کو بنایا ہے جہاں قدم پڑ گیا چمن ہو گیا جس صحرا میں قدم رکھا اسے گلزار بنا دیا جس زمین پر پیر پڑ گئے رشک جنت بنا دیا"

یہ آریہ سماج، یہ سکھوں کی تحریک، کاہے کا نتیجہ ہے غور کرنے کا طریقہ کس نے بتایا ہے یہ ذہنی انقلاب کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ اسلام کی دین ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک جو بھی تحریک پیدا ہوئی اس پر اسلام کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔

حضور رحمۃ للعالمین نے کتنی تکلیفیں اٹھائیں کیسی زندگی بسر کی، کتنے مصائب سے دوچار ہوئے مگر دنیا کو وہ چیز دی جس کے لئے وہ ترستی تھی اسلام نے اپنے دور عروج میں بھی اس کے بعد بھی وہ فضا پیدا کی جو اس طرح لوگوں کے دل و دماغ پر چھا گئی کہ جب بھی کسی مسئلہ پر غور کرتے تھے تو اس کا ذہنی اثر واضح رہتا تھا تمام تحریکات خواہ آریہ سماجوں کی ہوں یا گرونانک کی یا کوئی بھی تحریک ہو سب اس ذہنی و فکری انقلاب اور غور و فکر کے اس طریقہ کا نتیجہ ہے جو اسلام نے پیدا کیا تھا۔

آپ کے پڑوس ہی میں لکھنؤ یونیورسٹی ہے اس میں سائنس، ٹیکنالوجی، فزکس اور تمام علوم جدیدہ کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے پاس بڑی بڑی عمارتیں اس کے لیکچرس و پروفیسرس کے پاس بنگلے اور کاریں ہیں دوسری طرف آپ کے اساتذہ کی نہ اسطرح تنخواہیں ہیں نہ بلڈنگ ہیں اور نہ وہ ساز و سامان ہے۔

ما نہ آنیم کہ دہیم سکندر طلبیم
ما نہ آنیم کہ اورنگ سلیمان داریم
ما نہ آنیم کہ بر شیوۂ ارباب حشم
روی را بے بدر دولت سلطان داریم
خاکساران جہانیم واز اسباب جہاں
بوریائے است کہ در کلبۂ احزاں داریم

ایک نے دنیا کمائی صدر جمہوریہ ہوگیا، آپ نے افلاس کی زندگی بسر کی ایک کی مرنے کے بعد کوئی اہمیت نہیں۔ اور انسان کی عظمت اس کا صحیح مقام و رتبہ انسانیت کی صحیح ترقی آپ پر موقوف ہے، دنیا کی ترقی خواہ سماجی ہو یا اخلاقی، معاشی ہو یا اجتماعی سائنس کی ہو یا کسی اور علم کی کوئی ایسی نہیں جو اسلام کے زیر اثر نہ ہو۔

آپ کے لئے دو راستے ہیں ایک یہ کہ بنگلا اور کاریں ہوں دوسرے یہ کہ افلاس اور خلوص ہو علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک طالبعلم سے پوچھا کتنی عمر میں ایم۔ اے کر لوگے اس نے کہا ۲۴ برس میں، پھر پوچھا اس کے بعد کیا کروگے؟ ملازمت کرونگا فرمایا تنخواہ ڈیڑھ دو ہزار تو ہوگی نہیں تین چار سو ہوگی پھر ریٹائرڈ ہو جاؤ گے ایک شخص نے پوری عمر زندگی کو سدھارنے میں لگا دی ہاتھ کیا آیا چند روزہ عیش بس۔ بخلاف اس کے دوسرے نے اپنی زندگی آخرت کو سنوارنے میں خرچ کی اور اسے پایا، ایک طبقہ نے اپنی خدمت کی، بچوں کی خدمت کی، خاندان کی خدمت کی سیکڑوں سرمایہ دار پیدا ہوئے گذر گئے ان کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور اسلام نے جو تصور دیا وہ صرف دنیاوی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ جاری و ساری ہے۔

اللّٰهم لا عيش إلا عيش الآخرة

وہی عقلمند ہے جو آخرت میں عقلمند ہے وہی کامیاب ہے جو آخرت میں کامیاب ہے وہی نفع میں ہے جو آخرت میں نفع میں ہے وہی قابل رشک ہے جو آخرت میں مزے میں ہے وہی شاداں و فرحاں ہے جو آخرت میں شاداں و فرحاں ہے علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اپنے ساتھ دوستی کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کو کارآمد بناؤ، ایسا بناؤ کہ دنیا میں بھی نام ہو اور آخرت میں بھی کامیاب ہو اسی لئے اسلام نے اس حقیقت کو بار بار بیان کیا ہے۔ ان مدارس میں مجھے علمی خودداری اور غیرت دینی دو چیزوں کی کمی نظر آتی ہے آپ کا اصل مقام یہی ہے آپ انسانیت کی خدمت کے لئے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کو ان کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کے لئے آئے ہیں۔

آج زمانہ کمال کا ہے آج نہ بی۔ اے کی قدر ہے نہ ایم۔ اے کی اور نہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی، آج ہر یونیورسٹی میں پوچھتے ہیں آپ نے کام کیا کیا ہے زمانہ کمال کا ہے آج اسکی قیمت ہے اسی کی اہمیت اور اسی کی ضرورت ہے نہ بی۔ اے کی ضرورت ہے نہ ایم۔ اے کی۔ آپ کی جو چیز ہے، جو متاع ہے آپ کے پاس جو کمال اور علم ہے اس کی مانگ اور اس کی ویلو ہے اسی کی سب سے زیادہ قدر ہے سیکڑوں نہیں ہزاروں بی۔ اے اور ایم۔ اے سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں ان کو کوئی پوچھتا نہیں ہے لیکن آپ نے آج تک کسی عالم کو بیکار پھرتے نہ دیکھا ہوگا جب تک مسلمان زندہ ہیں جب تک ان میں کچھ بھی اسلامی روح ہے ان کو فقہی مسائل کی اور شریعت کے احکام کی بلکہ صحیح لفظوں میں علماء کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا علی میاں صاحب نے کب ایم۔ اے کیا ہے، کب پی۔ ایچ۔ ڈی کی مگر ہزاروں پروفیسر ان میں سے ہر ایک پر قربان کئے جا سکتے ہیں وہ زندہ و جاوید ہیں ان کا کام دائمی ہے پوری دنیا ان کی تعریف میں مدح سرا ہے۔

ان مدارس میں علمی خودداری اور غیرت دینی کے انحطاط کی وجہ وہ رجحان ہے کہ کہیں انگریزی امتحانات دئے جا رہے ہیں کہیں کچھ، یہاں سے نکلتے ہی ایسے ہو جاتے ہیں کہ پہچان میں نہیں آتے ہیں یہ غیرت دینی کا فقدان ہے یہاں ہم اسلامی لباس اسلامی طور و طریق اور اسلامی وضع قطع میں رہتے ہیں اور یہاں سے نکلتے ہی بدل جاتے ہیں تو مطلب یہ کہ غیرت صحیح پیدا ہی نہیں ہوئی آپ نے چند قدم آگے بڑھتے ہی اس کو ترک کر دیا۔

علمی خودداری کا فقدان یوں کہ وہ نہیں جانتا مفسر ہونے کے کیا معنی ہیں، محدث ہونے کے کیا معنی ہیں، فقیہ ہونے اور ایک عالم دین ہونے کے کیا معنی ہیں اسے معلوم نہیں مولانا علی میاں کو دیکھو، سید سلیمان ندوی، شبیر احمد عثمانی، مولانا انور شاہ کشمیری کو دیکھو یہ کیا تھے۔ محدث، مفسر، فقیہ اور عالم دین مگر پوری دنیا ان کے قدموں میں جھک گئی، مولانا علی میاں کو دیکھو بلاد مشرق سے لے کر یورپ اور امریکہ تک ان کے علم سے منور اور ان کے قدموں میں گرنے پر تیار ہے۔ میں نے بہت آوارہ گردی کی اب بہت افسوس ہوتا ہے مگر ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

میں نے اپنے بعض دوستوں حتی کہ استاد کے مشورہ کے خلاف کی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا "اگر ایک وقت کی بھی روٹی ہو تو تم نوکری نہ کرنا" نوکری کے معنی ہیں اپنے آپ کو، اپنے علم کو، اور اپنی خودداری و غیرت کو چند سکوں کے عوض دوسروں کے ہاتھ بیچ دینا میں نے نوکری کی بہت اونچی نوکری کی لیکچرر ہوا، پروفیسر ہوا ریڈر ہوا مگر آج حسرت ہے اگر نوکری نہ کرتا علی میاں وغیرہ کی طرح رہتا تو میری معاش بھی اس سے زیادہ رہتی جواب تک کمایا اور میرا احترام، میری اہمیت، میری قدر و قیمت اور ویلیو بھی ملک میں اس سے زیادہ ہوتی مجھ سے تو غلطی ہوگئی تم جوان ہو بچو — ع

من نکردم شما حذر بکنید

پروفیسر خسرو نے ابھی حال ہی میں ایک تقریر میں کہا مجھے معلوم ہے مسلمانوں کو نوکریاں نہیں مل رہی ہیں انکو معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ صنعت و حرفت کا کوئی شعبہ کھولوں تو نوکری اور معاش کی پریشانی تو ان کو آپ سے زیادہ ہے، اگر آپ یہاں سے اس طرف گئے تو اول تو تنخواہ کچھ نہیں اور مقام گھٹ جائے گا۔ مجھے ایک جگہ سے ڈیڑھ سو کا آفر کیا گیا لیکچری کے لئے میں نے انکار کر دیا میں نے کہا اگرچہ مجھے موجودہ جگہ پر صرف پچیس روپے ملتے ہیں مگر میں "پروفیسر" کہلاتا ہوں اور وہاں ڈیڑھ سو روپے تو ملیں گے مگر میں "ٹیچر" کہلاؤنگا یہ میری علمی خودداری تھی ہم یہ سب برت چکے ہیں اب آپ کے سوچنے کی چیزیں ہیں اللہ توفیق دے آپ کمال پیدا کریں۔

آپ کے ندوہ کے گئے لوگ پروفیسر ہیں کوئی دلی میں، کوئی کلکتہ میں اور کوئی بہار شریف میں اور کوئی سعودی عرب، لیبیا، مصر اور دوسرے ملکوں میں کیوں؟ کمال کی بنا پر آج پوچھ اور قدر ہے تو کمال کی قیمت ہے تو کمال کی اہمیت اور ویلیو ہے تو کمال کی۔ آپ اگر کمال پیدا کرلیں تو نہ صرف یہ کہ دنیا کمائیں گے بلکہ آخرت بھی بنے گی۔ سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں دیکھ کر خوش ہوں کہ میرا امتی اس نے دنیا کی کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا اس کے سامنے سب کچھ تھا مگر اسکو ٹھکرا کر میرے مشن کی تکمیل کی میرے پیغام کو پہونچایا اور میری تعلیم کو باقی رکھا اگر اس طرح آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی حاصل کرسکیں تو اس خوشی پر پوری دنیا قربان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ اس پر عمل کرسکیں۔!!

قطعہ

پاسبان حرم کو ہمارا اسلام
صاحب ذوالکرم کو ہمارا اسلام
دین و ملت پہ قربان ہو کر چلا،
فیصلِ محترم کو ہمارا اسلام

از: صابر ساگری

دین وشریعت کی حفاظت کے غیبی انتظامات

(مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین وشریعت لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت کے لئے ہے، آپ کے بعد اب کوئی دوسرا رسول آنے والا نہیں، آپ خاتم النبیین ہیں، سلسلۂ نبوت ورسالت کو آپ کی ذات گرامی پر ختم کر دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کو قیامت تک کے لئے محفوظ فرما دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہمیں اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

جس طرح قرآن مجید کو محفوظ کیا گیا، آج کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ یہ وہ قرآن نہیں ہے جو آج سے چودہ صدی پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اسی طرح اس کا بھی دعویٰ کاذب قرار دیا جائے گا جو قرآن مجید کی شرح یعنی حدیث وسنت پر بے اعتمادی کا اظہار کرے، علماء ومحدثین نے ہر حدیث کی تحقیق وچھان بین کی اور اپنی کتابوں میں ان کو مرتب کر دیا ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کلام الٰہی کے مبیّن وشارح ہیں، "انا انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم" (بیشک ہم نے تمہاری طرف ذکر (قرآن) کو نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے لئے بیان کر دو جو ان کی طرف نازل کیا گیا)

اس لئے قرآن کی مراد ومنشا، اور اس کی اصطلاحات اور قرآن نے جو نظام زندگی پیش کیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس کی شرح وبیان ہے۔ نیز آپ کی حیات طیبہ کے ہر خد وخال کو صحابہ کرام نے محفوظ کیا اور اپنے شاگردوں یعنی تابعین کرام تک بلا کم وکاست پہنچایا اور مبارک جماعت نے اپنے تلامذہ تبع تابعین تک پہونچایا، گویا تسلسل کے ساتھ امت میں دین وشریعت کا سرمایہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، فقہاء ومحدثین اور علماء امت نے مسائل کے استنباط واستخراج کر کے کتاب وسنت کی روشنی میں مرتب کر دئے ہیں۔ اس لئے دین کا کوئی جزء کسی دور میں پردۂ خفا میں نہیں رہا، بلکہ آداب استنجاء سے لے کر سیاست وجہانبانی کے سارے اصول وضابطے سلف صالحین کی کتابوں میں محفوظ ہیں، روز روشن کی طرح جو شخص معلوم کرنا چاہے معلوم کر سکتا ہے۔

اسی طرح دین وشریعت اور قرآن وحدیث کی اصطلاحات اور تعبیرات یہ سب اسی معنی ومفہوم میں موجود ہیں جو قرن اول وقرن ثانی میں سمجھا جا رہا تھا، ممکن ہے کہ عصر وزمانہ کی تبدیلی سے اسلوب بیان میں ظاہری طور پر فرق محسوس ہو مگر حقیقتاً کبھی کوئی تحریف یا تبدیلی نہیں نظر آئے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ "الانصاف" کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

"الحمد للہ الذی بعث سیدنا محمد صلوات اللہ علیہ، الی الناس لیکون ھادیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔ ثم ألھم الصحابة والتابعین والفقہاء والمجتھدین أن یحفظوا سیر نبیھم طبقة بعد طبقة الی أن تؤذن الدنیا بانقضاء ویتم المنعم، وکان علی ما شاء قدیرا۔"

(الانصاف فی سبب الاختلاف ص۱)

(تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کے لئے جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کے لئے اللہ کے راستہ کی طرف اس کے حکم سے ہدایت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر صحابہ وتابعین اور فقہاء ومجتہدین کو الہامی طور سے توفیق دی کہ وہ اپنے نبی کی سیرت کی طبقہ بعد طبقہ حفاظت کریں یہاں تک کہ دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہوجائے تاکہ اللہ اپنی نعمتوں کو پورا فرمائے، اور اللہ جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیبی نظام کے تحت اس دین وشریعت کی حفاظت وخدمت کے لئے ایسے لوگوں کو ہر دور میں پیدا فرماتا رہا ہے، جن کی نظیر دیگر امتوں وملتوں میں نہیں ملتی، جو ذکاوت وذہانت اور رائے اولوالعزمی اور بلند ہمتی میں عدیم المثال اور تقویٰ وزہد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

انھیں اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے ایسا عشق تھا کہ آپ کی تعلیمات کے ہر ہر گوشہ کو پوری احتیاط وکمال دیانت سے حاصل کرتے اور اپنے تلامذہ اور بعد کی نسلوں کی طرف منتقل کرتے تھے،

جس طرح دین وشریعت کا سرمایہ حفظ وکتابت کی راہ سے منتقل ہو کر آرہا ہے، ہر فن اور ہر موضوع پر علماء کی تصنیفات کا اتنا زبردست ریکارڈ ہے کہ ان کا احصار بھی نہیں ہو سکتا ہے،

اس طرح توارث وتعامل کی راہ سے بھی مسلسل دین وشریعت کا پورا نظام منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں،

"وقد علمنا ان الدواعی متوفرة علی نقل کتاب اللہ ودینہ فانہ لایجوز علی الامة کتمان ما یحتاج الی نقلہ۔ (اور ہمیں تحقیقی طور پر معلوم ہوگیا کہ اللہ کی کتاب اور اس کے دین کے نقل کرنے کے دواعی واسباب کافی ہیں پس کسی طرح امت کے لئے جائز نہیں اس چیز کا چھپانا جس کے نقل کرنے کی ضرورت ہو)

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حدیث "مثل ما بعثنی اللہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب أرضا الخ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اس حدیث میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو علماء دو طریقے سے قبول کریں گے ایک صریح روایت کا طریقہ اور دوسرا دلالۃً روایت کا طریقہ یعنی انہوں نے مسائل کا استنباط کیا اور شریعت پر عمل کیا اور ان کی پیروی دوسروں نے کی، جاہلوں کا قول قابل قبول نہیں کیونکہ بلا علم ہوتا ہے"۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص ۱۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دین وشریعت روایت کی راہ سے منتقل ہوتا رہے گا اسی طرح اس کے معنی ومراد ومختار کی بھی مسلسل روایت ہوتی رہے گی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کی مصطلحات اور حدیث نبوی کے معنی ومفہوم میں ایسی تحریف ہوجائے اس دور کے علماء ربانی اس سے غافل ہو جائیں، یا اس کی اس حقیقت سے نا آشنا ہوجائیں جو قرن اول وقرن ثانی میں سمجھی جا رہی تھی۔

میں نے حضرت شاہ کے کلام کو اس لئے نقل کیا کہ شاہ صاحب کے بارے میں مسلسل یہ بات کہی جا رہی ہے کہ شاہ صاحب پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں "حجۃ اللہ البالغہ" اور "ازالۃ الخفاء" میں اسلام کو ایک نظام زندگی کے طور پر پیش کیا ہے، ان سے پہلے دور دور بھی اس کی مثال نہیں ملتی، اس طرح کا جو لوگ غور کر رہے ہیں ان کا منشا، درحقیقت اپنی قیمت پیدا کرنا ہے، اور وہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جس نظریے کے وہ حامل ہیں، وہ بہت علمی انکشاف ہے، حالانکہ شاہ صاحب کو خود اس کا اعتراف ہے اور بار بار اس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ دین وشریعت میں کسی دور میں کوئی تحریف ممکن نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ پوری امت اور اس کے علماء دین، دین کی کسی حقیقت سے غافل ہو جائیں، متعدد مقامات پر شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ دین وشریعت کی حفاظت پر اللہ کی عنایت خاصہ ہے۔

بہرحال دین وشریعت کی حفاظت کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے علماء امت پر رکھی ہے، اور اپنے غیبی انتظامات کے تحت ہر دور میں ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہا جو اس ذمہ داری کو بخوبی ادا کر سکیں۔ مشہور حدیث ہے،

"لاتزال طائفة من أمتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم"

(میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ دین پر قائم رہیگی ان کو بے یار ومددگار چھوڑ کر کوئی نقصان انکو نہیں پہنچا سکتا)۔

مسند امام احمد میں "ظاہرین علی الحق" کے بعد "حتیٰ یقاتل آخرھم الدجال" کے الفاظ وارد ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ علماء کی جماعت دنیا سے ناپید ہو جائے یا دین وشریعت کا اصل تصور ان کے سامنے نہ رہ جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ اہل حق کی جماعت مفقود ہوگئی اور پوری امت ضلالت وگمراہی میں (معاذ اللہ) مبتلا ہوگئی جو اس حدیث اور دیگر نصوص کے صراحةً خلاف ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"..... لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی۔"

(مشکوٰۃ الاعتصام بالسنۃ)

(میں تمہارے پاس اس شریعت کو لے کر آیا ہوں جو روشن وواضح ہے، اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ تھا)

جتنا زمانہ نبوت سے دور ہوتا گیا، امت میں کثرت سے فرقے پیدا ہوتے گئے اور نئے نئے نظریات

جن کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں تھا اس کو اسلام سے وابستہ کرنے کی ہر دور میں لوگوں نے کوشش کی مگر علماء امت کی جانفشانی وقربانیوں کی بدولت حق وباطل دونوں امت کے سامنے واضح رہے۔

حضورؐ کی پیشینگوئی کہ بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں منتشر ہوئے تو میری امت تہتّر میں بٹ جائے گی، اور یہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے، سوا ایک گروہ کے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سا گروہ ہوگا آپ نے فرمایا "ما أنا علیہ واصحابی" (جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرامؓ) یہاں فرقہ ناجیہ سے مراد اہل علم واہل فقہ کی جماعت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں،

"الفرقة الناجیة ھم الآخذون فی العقیدة والعمل جمیعا بما ظھر فی الکتاب والسنة وجری علیہ جمھور الصحابة والتابعین الخ (فرقہ ناجیہ یہ وہ لوگ ہیں جو عمل وعقیدہ میں اس کو اختیار کرنے والے ہوں جو کتاب وسنت سے ثابت ہو اور جس پر جمہور صحابہ وتابعین گامزن تھے)

وغیر الناجیة کل فرقة انتحلت عقیدة خلاف عقیدة السلف أو عملا، دون أعمالھم۔ (اور غیر ناجیہ سے ہر وہ گروہ مراد ہے جو سلف صالحین کے عقیدے کے خلاف عقیدہ اور ان کے اعمال کے علاوہ عمل اختیار کرے)

(حجۃ اللہ البالغہ ج اول ص ۱۲۰)

اہل حق کی یہ جماعت ہر دور میں رہے گی، جو غیبی انتظام کے تحت دین کے سرمایہ کی محافظ وپاسبان رہے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے،

"ان اللہ لا یجمع أمتی أو أمة محمد علی ضلالة ویداللہ علی الجماعة، ومن شذ شذ فی النار (رواہ الترمذی)

(بیشک اللہ تعالیٰ نہیں جمع کرے گا میری امت کو یا محمدؐ کی امت کو گمراہی پر اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے)

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی جماعت کسی چیز پر متفق ہوجائے وہ حق ہی ہوگا، اس سے مراد علماء دین کا اجتماع ہے، پوری جماعت کسی غلطی میں مبتلا ہوجائے یہ ممکن نہیں"۔

(مرقاۃ ج۱ ص ۲۰۵)

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے،

اتبعوا السواد الاعظم الخ (رواہ ابن ماجہ)

(بڑی جماعت کی پیروی کرو) اس سے مراد علماء ہی کی جماعت ہے، جیسا کہ لفظ "الاعظم" دلالت کرتا ہے۔

"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے" ملا علی قاری فرماتے ہیں، اللہ کی حفاظت ونصرت وتوفیق وتائید اس جماعت کے ساتھ رہے گی ...... والاطلاع علی ما کان علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من الاعتقاد والعمل، (یعنی جس اعتقاد وعمل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ قائم تھے اس سے پوری طرح باخبر ہوں گے)

اسی طرح دین پر جب کوئی نازک دور آیا ہے یا آئے گا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے اس غیبی نظام کے تحت ایسی طاقتور شخصیت یا اشخاص کو پیدا کر دیتا ہے جس سے اس فتنہ کا قلع قمع ہو جاتا ہے، یا وہ فتنہ دب جاتا ہے، اور اہل حق کی جماعت میں تازگی وقوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "یبعث اللہ لھذہ الأمة علی رأس کل مأة سنة من یجدد لھا دینھا"۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں اس کی تشریح دوسری حدیث کرتی ہے،

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاھلین الخ۔ (اس علم کے حامل ہر خلف میں ان کے عادل لوگ ہوں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی ریشہ دوانی اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے)

اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر فضل فرمایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا حضورؐ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کی یہی عنایت خاصہ آپ کے علم وہدایت کی امت میں حفاظت کی طرف متوجہ ہے، اسی عنایت خاصہ کی برکت سے یہ امت ضلالت سے محفوظ رہے گی اور ان کے قلوب میں علم کے حصول کی رغبت پیدا ہوتی رہے گی۔

تحریف الغالین سے اشارہ کیا گیا ہے کہ بے جا تشدد وتعمق کو دین میں پیدا ہونے سے روکیں گے اور باطل پرستوں کی ریشہ دوانی جو شریعت میں دوسرے نظریات کی آمیزش کرنا چاہیں" اور جاہلوں کی تاویل جو دین میں واہیہ اور کمزور تاویل کے سامنے کسی جزء کو ترک کرنا چاہیں اس سے علماء امت کی جماعت روکے گی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج اص ۔۔۔ پر شاہ صاحب نے مفصل بحث فرمائی ہے۔)

بہرحال دین وشریعت اور اس کے احکام جو جس درجہ کے ہیں، اور دین میں اس کو جو مقام حاصل ہے، علماء امت نے اس کی حفاظت وپاسبانی کی ہے، اور قیامت تک یہ جماعت اسی طرح محافظ وپاسبان رہیگی۔ اللہ تعالیٰ سلف صالحین کی خدمات کے اعتراف واحترام کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے سینوں میں ان کے علوم سے استفادہ کا جذبہ موجزن فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

"تعمیر حیات" کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے۔

تھوڑی دیر علمائے ربّانی کی بزم نورانی میں

محمد ارشد اعظمی

حضرت شیخ محمد عیسیٰ بن تاج رحمۃ اللہ علیہ جونپور کے مشہور بزرگ تھے، شیخ فتح اللہ اودھی رحمۃ اللہ سے مرید تھے انکے والد بزرگوار کا قیام دہلی میں رہتا لیکن امیر تیمور کے حملہ کے زمانہ میں دہلی سے جونپور چلے آئے اس وقت شیخ محمد عیسیٰ کی عمر ۸ سال کی تھی، اپنے مرشد کے حکم سے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مذہبی وعقلی تعلیم حاصل کی اسکے بعد تصفیۂ باطن کے لئے مرشد کی خدمت میں آئے اور عبادت میں ایسا مشغول ہوئے کہ ظاہر کی کچھ خبر نہ رہی، ان کے کمرہ کے سامنے ایک درخت تھا لیکن اس کی ان کو خبر تک نہ تھی، ایکدن ان کی نشستگاہ پر اس درخت کے پتے گرے تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ پتے کہاں سے آگئے ہیں؟ لوگوں نے ان کو بتایا کہ اس جگہ ایک درخت بھی ہے، مراقبے کی کثرت سے شیخ محمد عیسیٰؒ کی ہڈیاں گردن کی ہڈیوں کے ساتھ ابھر آئی تھیں، ان کی ٹھوڑی سینے تک لٹک آئی تھی حضرت شیخ کا مزار اقدس جونپور میں ہے (اخبار الاخیار ص۔۔۔)

ایک روز ابراہیم شاہ شرقی نے کچھ روپے اور جنو کپڑے بھیجے آپ نے قبول نہ فرمایا اور جواب میں یہ رباعی ارشاد فرمائی ؎

من دلق خود باطلس شاہاں نمی دہم	من فقر خود بملک سلیمان نمی دہم
از رنج وفقر در دل گنجے کردہ ام	این رنج را براحت شاہاں نمی دہم

ترجمہ: (اپنی گدڑی بادشاہوں کے اطلسی پوشاک کے بدلے میں نہیں دے سکتا اور اپنے فقر کو حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کے بدلے میں نہیں دے سکتا، میں نے اپنے دل کے اندر جو رنج وفقر کا خزانہ جمع کیا ہے اُسے شاہانہ عیش وآرام کے بدلے میں نہیں دے سکتا۔ (تاریخ شیراز ہند جونپور ص۶۰)

حضرت مخدوم شاہ طیب فاروقی بنارسی نور اللہ مرقدہٗ سرزمین بنارس کے گیارہویں صدی کے معروف اولیاء کرام اور مشائخ کبار میں سے ہیں حضرت شیخ تاج الدین جھونسوی (الہ آبادی) کے خلیفہ ہیں، حضرت شیخ محمد عیسیٰ بن تاجؒ کے سلسلۂ اقدس میں ہیں، حضرت قطب الاقطاب دیوان عبد الرشید عثمانی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ہیں، حضرت شاہ طیب بنارسیؒ نے حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ کے دست مبارک سے خرقہ زیب تن فرمایا ہے، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کو شریعت مقدسہ پر کامل استقامت حاصل تھی آپکے افعال واقوال سرور کائنات کی سنت کے مطابق ہوتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب میں بڑا رسوخ تھا، جمعہ کی نماز آپ اکبر بادشاہ کی تعمیر کردہ مسجد (گیان باپی) میں ادا فرماتے تھے ایک بار خطیب نے خطبے میں اکبر بادشاہ کا نام لیا، حضرت شاہ طیب بنارسیؒ نے جوش میں آکر خطیب کو منبر سے نیچے اتار دینا چاہا اور فرمایا کہ خطبے میں کافر کا نام لیتا ہے؟ (کیونکہ اکبر بادشاہ ہی نے اپنے دور سلطنت میں ایک نیا دین "دین الٰہی" ایجاد کیا تھا) اتفاق وقت سے آپ کے مرشد حضرت شیخ تاج الدین جھونسوی اور انکے مرشد حضرت مولانا خواجہ کلاں بھی موجود تھے شہر کے قاضی اور حاکم وغیرہ حضرت شاہ طیب بنارسیؒ کی ہیبت سے تو کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے مگر ان دونوں بزرگوں سے کہلوانے کہ ہم لوگ بادشاہ کے نوکر ہیں اگر اس کو حقیقت واقعہ کی اطلاع ہوگی تو وہ ہمارے گھروں کو تاراج کر دے گا، اس پر مولانا خواجہ کلاںؒ نے حضرت شاہ طیب کو ہدایت فرما دی کہ موجودہ دور میں بادشاہ کافر ہے لہٰذا مسجد میں نہ جایا کریں، اسکے بعد سے منڈوا ڈیہ میں نماز ادا کرنے کا اہتمام فرمالیا، حضرت شاہ طیب بنارسیؒ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف منڈواڈیہ بنارس ہی کو حاصل ہے۔

(مشائخ بنارس ص۳۵، ۳۶)

ٹونک میں عہدِ وسطیٰ کی دو قابلِ دید حسین

اور تاریخی عمارتیں!

از ——————— : سید منظور الحسن برکاتی (ٹونک)

بیاد نقش عمارات شہر یاراں ہیں
کہ ایں سپہر جفا پیشہ چوں پست شکست

کسی شہر اور بستی کی عظمت کا اندازہ دو حیثیتوں سے کیا جاتا ہے۔ ایک تو وہاں کی علمی، ادبی شخصیتوں اور مشاہیر فنون کے باعث، جن کے علمی اور فنی کارنامے اس شہر کو امتیاز واہمیت بخشتے ہیں۔ دوسرے وہاں کے تمدنی، تعمیری و تہذیبی آثار اور شاندار و پُرعظمت تاریخی محلات کے ذریعہ جن کی موجودگی وہاں کی شہری و تمدنی رونق میں چار چاند لگاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "فنِ تعمیر پتھر میں لکھے ہوئے وقائع ہوتے ہیں جو زبانِ حال سے اپنے بانیوں کی عظمت، اُن کی شان، اور اُن کے ذوق کی داستان اُس وقت سُناتے رہتے ہیں جب وقت، انقلاب، دوسرے ماخذوں کو خاموش کر چکا ہوتا ہے۔"

راجستھان کی سابق بائیس ریاستوں میں "ٹونک" ابتدا ہی سے علمی و فنی ترقیوں کے باعث علوم و فنون کا ایک خاص مرکز رہا ہے — یہاں کے اولوالعزم حکمرانوں اور باذوق روساء و دانشوروں نے اپنی ذہانت اور فطانت، اپنی فنکاری، و شاہکاری اور ذوق تعمیر و نفاست پسندی کی بدولت علمی و تہذیبی کارناموں کے ساتھ ایسی شاندار عمارتیں، قلعے، مساجد اور مدارس اور تہذیبی آثار چھوڑے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں۔

ان آثار میں قلعہ امیر گڑھ تو زمانہ کی نیرنگی اور حالات کے انقلاب کے سبب کھنڈر کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہے، اور زبانِ حال سے گویا ہے ؎

ترے کمالِ ستم کی یہ یادگار رہے
نہ ہم رہیں نہ ہمارا کہیں مزار رہے

لیکن متعدد ایسی عمارتیں آج بھی موجود ہیں۔ جو قابلِ ذکر اور لائق دید ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں ان میں سے دو ایسی ہی تاریخی اور حسین عمارتوں کا تفصیلی تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

قیامِ ریاست کے بعد اس سرزمین پر فلک بوس محلات، عالیشان مساجد اور نزہت بخش و جنت نظیر باغات کی تعمیر و آبادکاری کے سلسلہ میں سب سے پہلے جس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ وہ خدائے قدوس کی جلیل القدر عبادت گاہ "جامع مسجد امیر گنج" ہے۔

۱— بے نظیر جامع مسجد کی تعمیر ٹونک کے پہلے حکمراں نواب امیر الدولہ محمد امیر خاں نے سنہ ۱۲۴۶ھ میں شروع کرائی اور اُن کے جانشینوں میں نواب وزیر الدولہ، نواب محمد علیخاں، اور آخر میں نواب ابراہیم علیخاں نے ۱۲۹۸ھ میں تکمیل کو پہنچایا۔

نواب ابراہیم علیخاں بڑے خوش ذوق رئیس تھے انھیں خوبصورت اور حسین عمارتوں بنانے کا بڑا شوق تھا مورخین نے ان کو اپنے وقت کا شاہجہاں کہا ہے۔

انہوں نے لاکھوں روپیہ زرِ سرخ اس کی تکمیل و آرائش میں صرف کر کے اس کو مساجد راجستھان کی ملکہ بنا دیا۔

منہدم قلعہ امیر گڑھ سے تقریباً دو ہزار گز فاصلہ پر بجانب شمال مغرب، نذر باغ اور شاہی محلات کے قریب اس تاریخی مسجد کو دہلی کی جامع مسجد کے نمونہ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ مسجد ہیں اپنے حسنِ تعمیر، نقاشی، مینا کاری، طلاکاری اور اپنے بلند و بالا حسین و خوبصورت میناروں، محرابوں، دروازوں اور پتھر کی سبک و کشادہ مربع سیڑھیوں کیساتھ اپنا جواب و ثانی نہیں رکھتی ہے۔

اس کی سہ دریاں، اس کے خوش قطع دالان، اس کی منقش و گلکار محرابیں اور ان پر سنہری و رنگین گل بوٹے اور آبِ زر سے مرقوم اشعار، کتبے، قرآن پاک کی مقدس آیتیں اور حدیثیں جب یکبارگی نظر کے سامنے آتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شگفتہ پھولوں کا ہجوم سامنے آگیا ہے۔

مغربی دیوار کی کمانوں میں جو محرابیں ہیں۔ ان کے حاشیے اور حوض پر بیل بوٹے بڑی نفاست سے بنائے گئے ہیں جن کی نوک پلک دیکھ کر انسان کچھ دیر کے لئے عالمِ حیرت میں کھو جاتا ہے۔ خصوصاً وسطی محراب کی دیواریں شجرکاری، آرائش و نقاشی بڑی ہی دلکش، دلآویز اور جاذبِ نظر ہے اور اس کے بانیوں کے خلوص و عقیدت کی یاد دلاتی ہے۔

اس کارنامہ رنگ و جمال کے ساتھ وسطی محراب کی پیشانی پر ذیل کے تاریخی اشعار، قطعات اور احادیث بخطِ نستعلیق مرقوم ہیں ؎

۱— خدا کا گھر ہوا تعمیر دیکھو ٹونک میں بیشک
مزا ہے صاف اس کے چاہ میں زمزم کے پانی کا
شگفتہ تم بھی اب تاریخ اس کی اس طرح کہہ دو
بنا اک دوسرا کعبہ یہ ابراہیم ثانی کا

۱۲۹۸ھ

اس قطعہ کے دونوں شعر الگ الگ کھنٹوں میں ہیں درمیان میں "ان ھذا ھو بیت اللہ الیہ ردوا د صلوا بالمسجد خاشعین" بخطِ عربی نوشتہ ہے۔

نیچے کی سطر میں چھ شعر کا ذیل کا قطعہ مرقوم ہے۔ یہ قطعہ امامِ اول جامع مسجد مولانا فضل حق کا نتیجۂ فکر ہے ؎

زہے مسجد و حوض عالی بنا
کہ دلچسپ آمد چو دار النعیم
ز سر کردہ پا ہر کہ آید دراں
چو گل بشگفد از ہبوب نسیم

کند سجدہ ہر کردہ باخدا
رہائے داز عذاب الیم
چناں حرف شد زد تعمیر او
کہ ہم سنگ شد سنگ با زر و سیم
چو نواب ہمنام حضرت خلیل
بنا کردہ از فضل حق و رحیم
پئے سال تاریخ اتمام او
خرد گفت بیت خدائے کریم

۱۲۹۸ھ

مسجد کی چھت دالانوں کی ہے۔ اور تین کمان دار قبہ نما حصوں پر مشتمل ہے۔ اندر سے گنبدوں کا جوف جو گوشیہ انداز کا ہے بلند گردنے کے بعد گنبدوں کا دور شروع ہوتا ہے جس میں خوبصورت رنگین بیلوں کا جال اوپر سے نیچے تک بچھا ہوا ہے یہ نقش و نگار پختہ شوخ رنگ مسالوں سے بنائے گئے ہیں۔ گنبد اوپر سے گُردی شکل میں، لیکن چونکہ ان کا ارتفاع کم ہے اس لئے وہ گنبد نمایاں اور مرتفع نظر نہیں آتے ہیں۔

مسجد کے اندرونی حصہ کے چاروں گوشوں پر فلک رفعت چار مینار سر اٹھائے کھڑے ہیں ہر مینار کے چھ حصے یا منزلیں، پانچ منزلیں ہشت پہلو ہیں۔ ہر مینار کے پانچویں حصہ کے اوپر آٹھ آٹھ در محرابی دروں کی خوش قطع برجیاں ہیں۔ اُن کے اوپر اینٹ چونے کے خوبصورت و حسین و موزوں گنبد ہیں اور گنبدوں پر طلائی کلس ہیں۔ چاروں میناروں کا توازن و تناسب یکساں ہے البتہ سامنے کے دو مینار پچھلے میناروں کے مقابلہ میں قدرے چھوٹے ہیں۔ ان میں ۹۹ سیڑھیاں ہیں۔

چاروں میناروں میں اوپر جانے کے لئے چکردار زینہ ہے اور ہر منزل میں روشن دانوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے خوبصورت دروازے ہیں۔ ہر منزل پر چھجے سایہ کئے ہیں۔ اور اُن چھجوں کے بوجھ سنبھالنے کے لئے چھوٹی چھوٹی توڑیاں ہیں پچھلے میناروں کی برجیوں کے سامنے روش ہے اور روش پر جالی دار کٹہرہ بھی بنا ہوا ہے۔ سامنے کے میناروں میں ۹۹ سیڑھیاں ہیں۔ ان میناروں کے اوپر سے سارا شہر دکھائی دیتا ہے۔ سرسبز درختوں کے درمیان مکانوں کی سفید چھتیں، رنگ برنگ کے در و بام عجیب خوشنما منظر پیش کرتے ہیں۔

زمانۂ ریاست میں جمعہ کے دن، نمازِ جمعہ کے آغاز اور اختتام کے اعلان کے لئے توپیں سر کرانے کی غرض سے توپ خانہ خاص کا نشان بردار، جھنڈی لئے، میناروں کی ان برجیوں پر کھڑا رہتا تھا۔ سامنے قلعہ امیر گڑھ کی فصیل پر توپچی توپ بھرے تیار رہتے تھے جوں ہی مینار سے جھنڈی کا اشارہ پاتے تین تین فیر توپوں کے داغ دیا کرتے تھے۔

مسجد سے ملا ہوا کشادہ و عریض صحن ہے۔ جس کا فرش چوکور پتھروں سے بڑی نفاست سے بنایا گیا ہے۔ صحن کے باقی تین اطراف میں بھی نہایت خوش قطع دو رویہ دالان ہیں۔ اور ان کے اوپر چھوٹی چھوٹی برجیوں اور پتلے پتلے سو رجھل نما میناروں کا بڑا موزوں کٹہرا اور فصیل ہے۔ سامنے کے دروازے پر سات فٹ چوڑا خوبصورت چھجہ ہے۔

صحنِ مسجد سے مسجد کے اندرونی حصہ کسی قدر مرتفع ہے۔ صحن سے مسجد کے اندرونی حصے میں جانے کے لئے تین محرابی حاشیہ دار گلکار و منقش عالیشان دروازے ہیں۔ وسطی دروازہ یا در قدرے آگے نکلا ہوا ہے اس کی پیشانی پر بخطِ طغریٰ دائیں بائیں عجلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت اور عجلوا بالتوبۃ قبل الموت،

درمیان میں افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، سیاہ مسالے سے لکھا ہوا ہے۔ مسجد کے اندر آنے جانے کے لئے دو خوبصورت محرابی دروازے ہیں جنوبی دروازہ مسجد کے مشرقی جانب وسطی محراب کے مقابل ہے شمالی رخ کے دروازہ سے والیانِ ریاست نمازِ جمعہ ادا کرنے، اور مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے آیا کرتے تھے

مسجد کی کرسی چونکہ بہت اونچی ہے اس لئے مربع سیڑھیوں کی بدولت دروازوں میں ایک خاص شان پیدا ہو گئی ہے۔ مسجد کے دروازے مسقف ہیں اور ان کے اوپر کی فصیل بھی چھوٹی چھوٹی برجیوں کے کنگوروں سے بنی ہوئی ہے۔

پوری مسجد چونے اور گچ سے بنی ہوئی ہے۔ دیواروں پر ایک انچ سے زیادہ موٹا مضبوط چونے کے سفید قلعی کا پلاسٹر ہے جس کو پالش سے جلا دی گئی ہے۔ اور دیواروں پر نیلے رنگ کی خوبصورت بیلوں سے حاشیے بنائے گئے ہیں۔

۵۶۴۶ فٹ مربع صحن ہے۔ اونچائی ۶۲ فٹ ہے مینارے ۱۱۰ فٹ بلند ہیں جو میلوں دور سے نظر آتے ہیں۔

دوسری قدیم عمارتیں زمانہ کی گردش سے اگر مٹ جائیں تو مٹ جائیں لیکن یہ توحید اور مبلغانِ توحید کی عظمت و جلال اور اُن کے حسنِ ذوق و نفاست پسندی کی مبارک و محترم یادگار انشاء اللہ کبھی نہ مٹے گی۔ اس میں اس دم تک خدائے واحد و ذوالجلال کی عبادت کرنے والے آباد ہیں اور پانچوں وقت اس کے بلند میناروں پر سے نعرۂ تکبیر بلند ہوتا ہے۔

جامع مسجد کے جنوب مشرق میں خوبصورت مربع وسیع حوض ہے، جس کے چاروں طرف دالان، حجرے غسل خانے وغیرہ تعمیر ہیں۔ ریاستی دور میں شہر میں آب رسانی کا کوئی انتظام نہ تھا، لوگ عام طور سے کنووں اور باولیوں کا پانی استعمال کرتے تھے۔ حوض بھرنے کے لئے نواب امیر خاں نے مسجد کے قریب شمالی مشرقی سمت ایک وسیع و کشادہ کنواں بھی تعمیر کرایا تھا، جو بڑے کنویں کے نام سے موسوم ہے۔ اس کنویں سے زمین دوز پختہ نالی کے ذریعہ حوض میں پانی پہنچایا جاتا تھا کنویں پر رہٹ چلتا تھا۔ اب نل سسٹم ہو جانے کے باعث حوض کو نل کے ذریعہ پُر کیا جاتا ہے۔ جو ہر وقت چشمِ عاشق کیطرح پُرآب رہتا ہے۔

اس کنویں کی تاریخ میں منشی بساون لال سکینہ شاداں نے ذیل کا قطعہ کہا ہے ؎

امیر الدولہ جو چاہ بنا ساخت
کہ آب او ست با کوثر برابر
سنِ تاریخ آں شاداں رقم زد
کہ چاہے چشمۂ مانند کوثر

۱۲۴۶ھ

مسجد کے نیچے شمالی اور مشرقی جانب دوکانیں ہیں۔ یہ دوکانیں مسجد کے آثار ملحق ضرور ہیں لیکن مسجد کا ان کی چھت سے تعلق نہیں ہے بلکہ مسجد کی سہ دریاں ان دوکانوں کی چھت سے متصل ہیں۔ مسجد کے قریب تعمیر کنویں کے چاروں طرف بھی خوبصورت دوکانیں ہیں۔ جن کا تعلق بھی اسی جامع مسجد سے ہے۔ مسجد کے اخراجات ان دوکانوں کے کرایہ سے بآسانی پورے ہو جاتے ہیں۔

زمانۂ ریاست میں عیدین کے موقع پر امام صاحب جامع مسجد کو نواب صاحب کی طرف سے خلعت عطا ہوتا تھا اور عیدین پر سواری کے لئے فینس مقرر تھی۔ رمضان المبارک میں روزہ داروں کے لئے روزانہ افطاری آیا کرتی تھی اور عام دنوں میں جامع مسجد میں مقیم مسافروں کے لئے سرکاری باورچی خانے سے روزانہ کھانا بھی آیا کرتا تھا۔ اسکے علاوہ ہر سال رمضان شریف میں ۱۵ اور ۲۷ تاریخ کو ختم قرآن پاک کے موقعہ پر شہر کی مساجد میں تقسیم کے لئے شیرینی آیا کرتی تھی۔

جامع مسجد کی امامت و خطابت پر نواب امیر الدولہ کے عہد سے ٹونک کے ایک دینی اور علمی خاندان ہی کے افراد نسلاً بعد نسلٍ فائز ہوتے چلے آئے ہیں۔ سب سے پہلے اس منصب پر مولانا خلیل الرحمٰن خاں صواتی کے بھائی مولانا سعد اللہ خاں صواتی فائز ہوئے سنہ ۱۲۴۶ھ میں جب اُن کا انتقال ہوا تو اُنکے خلفِ اکبر مولانا فضل حق، خطیب و امام ہوئے سنہ ۱۳۲۲ھ میں اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بڑے فرزند مولانا مظہر الحق اور اُن کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی مولانا انوار الحق نے امامت و خطابت کے فرائض انجام دئے کچھ عرصہ سعید الحق اور ان کے فرزند ظہور الحق بھی جامع مسجد کے امام و خطیب رہے مولانا انوار الحق نے اپنی حیات میں ضعیف العمر ہو جانے کے باعث اپنے نواسہ مولانا عمران خاں کو جمعہ و عیدین کی امامت و خطابت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ لیکن ریاست کے اختتام کے بعد سے جامع مسجد کا نظام اور تعلق سرکاری تحت خانہ سے منقطع ہو کر ایک نمائندہ کمیٹی کے ذمہ آگیا تھا، کمیٹی کے بعض ذمہ داروں کی روش سے دل برداشتہ ہو کر کچھ عرصہ بعد مولانا عمران خاں نے سبکدوشی حاصل کر لی۔

زمانۂ ریاست میں، والیانِ ریاست کی جانب سے جامع مسجد کے امام خاندان کی مدد معاش اور اعزاز میں جاگیر و معافی بھی عطا تھی۔

ٹونک کے پانچویں حکمراں نواب سعادت علیخاں کے عہد میں مشہور عالم دین حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب مرحوم کی تحریک و قیادت میں اس مسجد میں ایک مدرسہ "دار الحدیث" کے نام سے جاری کیا گیا تھا۔ اس مدرسہ کے لئے جامع مسجد کے عقبی حصہ میں ایک وسیع و کشادہ ہال تعمیر کرایا گیا تھا، لیکن یہ مدرسہ کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا۔

اس دور میں بھی اس مسجد جامع میں ایک دینی مدرسہ "تعلیم الاسلام" کے نام سے جاری ہے جس میں تین مدرس کام کرتے ہیں۔ جامع مسجد کے خطیب و امام مولوی حاجی حافظ محمد امین خاں اس مدرسہ کے صدر المدرسین اور مولوی حافظ سردار محمد خاں مدرس تعلیم قرآن ہیں۔

مسجد کی اذان اور دیکھ بھال وغیرہ پر چار آدمی مقرر ہیں۔ مسجد کے مشرقی اور شمالی دروازوں کے سامنے سیڑھیوں سے متصل سڑک تک مسجد کی زمین ہے جس پر کچھ گمٹیاں اور کیبنیں مسجد کمیٹی نے کرایہ پر دے رکھی ہیں جن کی وجہ سے مسجد کے دروازوں کی زیبائش و آرائش اور اس کی صفائی ستھرائی میں فرق آرہا ہے۔ کیا اچھا ہو تا کہ اس افتادہ زمین میں جہاں نمازِ جنازہ بھی ادا ہوتی ہے خوبصورت لان بنا دیا جاتا جس سے مسجد کی خوبصورتی میں اور اس کی زیبائش میں اور اضافہ ہوتا۔

۲— شیش محل — جو سنہری کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوٹھی نہر بالی لسن ہیلیس نذر باغ کے وسط میں تعمیر ہے۔ نیچے خوبصورت گچ اور چونے کی بنی ہوئی حسین و رنگین منقش بارہ دری ہے۔ بارہ دری کے بالائی حصہ پر تعمیر یہ کوٹھی بھی بارہ بیچ در کے تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اور سراپا منقش و مذہب۔ اس کی دیواروں، دروازوں اور چھت پر سونے کے پانی سے کام ہو رہا ہے۔ مختلف قسم کے نقش و نگار اور بیل بوٹے بڑی نزاکت اور نفاست سے بنے ہوئے ہیں۔ ہر حصہ میں علیحدہ علیحدہ قسم کا کام ہے۔ متناسب و موزوں شیشہ بندی ہے۔ شیشے اور رنگ برنگ کے نگینوں سے مرصع کاری کی گئی ہے۔ طلاکاری، میناکاری، آئینہ بندی اور مرصع کاری کے اعتبار سے یہ کوٹھی بے نظیر ہے۔ اور ہندی معماروں کی صنعت کاروں کی صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہے زمانہ حال کے انجینیروں نے بھی اس لاجواب عمارت کی نہایت تعریف و توصیف کی ہے۔

اس کوٹھی کے نیچے والی بارہ دری بانیٔ ریاست نواب امیر خاں اور دوسرے فرمانروا نواب وزیر الدولہ کے عہد میں تعمیر ہوئی ہے۔

بالائی طلاکار بارہ دری جو خوبصورت اور حسین کمرہ اور ہال کی حیثیت رکھتی ہے۔ چوتھے فرمانروا نواب ابراہیم علیخاں کے عہد کی یادگار ہے۔ کوٹھی کی حفاظت کی خاطر اور روشنی کے لئے تین دروازے ہیں، ایک دروازہ شیشی میں ہے۔ دروازوں پر چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں۔

لیکن یہ بات بڑے دُکھ کی ہے کہ اس نادر الوجود تاریخی اور آثار قدیمہ کی حیثیت رکھنے والی کوٹھی کی چھت کے بعض گوشے بے توجہی اور ناقدری و غفلت کے باعث اب رسیدہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کے مسالے کی پٹریاں یا تو خود اُتر گئی ہیں یا غیر ذمہ دار ملازموں نے ذاتی منفعت کی خاطر ان کو الگ کر دیا ہے۔

بہرحال اس مرحوم ریاست ٹونک کے سابق اولوالعزم حکمرانوں نے جہاں علم و حکمت اور شعر و ادب کی سرپرستی و قدردانی فرما کر ٹونک کو مرجع علماء مرکز شعراء بنایا وہیں انھوں نے اس کی آبادکاری کی طرف بھی توجہ کی اور فلک بوس شاندار محلات، پُرعظمت و جلال مساجد اور نزہت بخش باغات کے ذریعہ اس کی تمدنی رونق میں چار چاند لگائے۔

جن کے مٹے ہوئے آثار، شکستہ کھنڈر، ٹوٹے مقبرے ویران مساجد و مدارس اب تک زبانِ حال سے اپنے بانیوں کی عظمت و شوکت، ان کے گزشتہ جاہ و جلال اور ان کے علمی ادبی کارناموں کی داستان سُنا رہے ہیں اور بقول شاعر ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نئی کتاب

جب ایمان کی بہار آئی ، رائے بریلی کی تربیت گاہ سے بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ایمان و یقین، اسلامی اخلاق، اور جہاد و قربانی کی روح پرور داستان، شروع میں سید احمد شہید کی سیرت کا مکمل خلاصہ، اسکے بعد منتخب اور اثر انگیز واقعات۔

اعلیٰ کتابت و طباعت دیدہ زیب سرورق۔ قیمت بارہ روپیہ

مکتبۂ فردوس — مکارم نگر (برولیا) لکھنؤ

ندوہ کے فارغ التحصیل سے خطاب

(از محمد حسین فطرت بھٹکلی)

لوحِ جبیں ہے رنگِ عزیمت لئے ہوئے
تیری زباں ہے تیغِ فصاحت لئے ہوئے
تاریخ و شعر و علم و ادب سے تجھے شغف
تو شارح و مفسرِ قرآن پاک ہے
یکتائے وقت ہے تو علومِ حدیث میں
اک خط امتیاز ہے تو حسن و قبح میں
باطل ہے سرنگوں تری سطوت کے سامنے
احیائے دینِ حق ترا مقصودِ زندگی
نانِ جویں ہے تیرے لئے مایۂ حیات
تو شمعِ بزم ہے تو سپاہی ہے رزم کا
دورِ جدید میں ترا کیا حال ہو گیا
گردش ہے تیرے علم کی روٹی کے ارد گرد
فرصت نہیں ہے دین کی خدمت کے واسطے
تجھ کو نہیں مقاصدِ ندوہ سے کچھ غرض

آنکھیں ہیں تیری نورِ بصیرت لئے ہوئے
تیرا قلم ہے زورِ بلاغت لئے ہوئے
دامانِ فکر ہے دُرِ حکمت لئے ہوئے
دل میں سُرورِ شوقِ تلاوت لئے ہوئے
صورت تری ہے جوہرِ سیرت لئے ہوئے
ہر اک روش ہے شانِ صداقت لئے ہوئے
تو سرخروئی حق کی شہادت لئے ہوئے
اٹھا ہے تو نظامِ صداقت لئے ہوئے
ہر تیر از بد شانِ قناعت لئے ہوئے
دل میں سُرورِ بادۂ نصرت لئے ہوئے
مقصد سے ناشناس ہے غفلت لئے ہوئے
دن رات ہے تو فکرِ معیشت لئے ہوئے
تو ہے امورِ دہر کی کثرت لئے ہوئے
آباء تھے تیرے شانِ امامت لئے ہوئے

بیدار ہو کہ تجھ سے نظامِ حیات ہے
اسلام تیرے واسطے جامِ حیات ہے

"تعمیر حیات" میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

مطالعہ کی میز پر

: مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی

صحیفۂ ابرار: از ڈاکٹر تنویر احمد علوی سابق ریڈر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ و حال دہلی یونیورسٹی۔ ناشر ادارہ مطبوعات نور محمدیہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔ تقطیع بڑی صفحات ۵۸۶ علاوہ فہرست و دیباچہ قیمت مجلد ۱۷ روپے۔

جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں شاہ عبدالرزاق قادری ایک بڑے صاحب حال و قال بزرگ تھے لودھیوں کے عہد حکومت میں ۸۷۳ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۹۴۹ھ میں شیر شاہ سوری کے زمانہ میں وفات پائی یہ علوم ظاہری میں تبحر کے ساتھ امور باطنی میں بھی غیر معمولی مرتبہ کے مالک تھے، اپنے ان کمالات کی بنا پر شاہ العالمین کے نام سے مشہور تھے ان کے نواسے شاہ جمال العارفین نے ان کے حالات خیر البیان کے نام سے مرتب کئے تھے یہ کتاب فارسی میں تھی اور قلمی شکل میں مختلف کتب خانوں میں اس کے نسخے پائے جاتے تھے۔ ڈاکٹر تنویر احمد صاحب نے جو خود بھی اس خاندان سے نسبت رکھتے ہیں اس کتاب کا اور اس کے ساتھ شیخ داؤد جوجھنی کے مرتب کردہ شاہ العالمین کے ملفوظات کا اردو میں ترجمہ کیا شروع میں فاضل مترجم نے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں تصوف کی تاریخ، نقطۂ نظر اور دائرہ کار کی وضاحت کی ہے۔ شاہ العالمین کے حالات اور ملفوظات میں اگرچہ اصلاً عقائد و اعمال اور اصلاح ظاہر و باطن کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے ضمن میں اس زمانہ کی تہذیب و معاشرت اور سیاسی و معاشی نظام کے بارہ میں بہت سی مفید معلومات حاصل ہو جاتی ہے جن سے اس عہد کے حالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور بہت سی تاریخی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔

اس کتاب میں کشف و کرامات کے بہت سے واقعات نظر سے گزریں گے ممکن ہے اس زمانہ میں ایسے واقعات بعید از وقوع سمجھے جائیں لیکن نفس کی قوتوں کی کوئی حد نہیں ہے آج کل محض مادی اغراض کے لئے نگاہ اور دل کو ریاضتوں کے ذریعہ ایسا موثر اور طاقتور بنا دیا جاتا ہے کہ ان سے حیرت انگیز افعال صادر ہوتے ہیں پھر جن بزرگوں نے اپنے آپ کو مادی اغراض سے بلند کر لیا تھا اور اخلاص و للہیت کے ساتھ اس کی کوشش کرتے تھے اگر ان کے قلب و روح میں ایسی قوت پیدا ہو گئی ہو تو اس پر تعجب کی کیا وجہ ہے لیکن یہ کرامات و تصرفات ان کا مطمح نظر نہیں ہوتے محض رضائے الٰہی کے طالب ہوتے ہیں اور خدا کی بندگی ان کا مقصود ہوتی ہے ملفوظات میں بعض مقامات بہت دقیق ہیں جن میں توحید کی حقیقت بیان کی گئی ہے لیکن آپ نے وحدت الوجود کے بیان میں تصریح سے فرمایا کہ "بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے" (ص ۹۰) نیز یہ فرمایا کہ ہر چند توحید غالب ہو لیکن حضور اکرمؐ کی شریعت سے تجاوز و انحراف جائز نہیں (ص ۱۳۱) اور آپ کے عمل کا یہ حال تھا کہ

"شریعت کے احکام اور طریقت کے مسائل کو اس طرح یکجا اور اپنے عمل اور مشاغل حیات کے ذریعہ مستحکم کر دیا تھا کہ آپکے ملازموں، قرابت داروں اور آپ کے ہمسایوں کے متعلقین میں سے کوئی فرد نماز پنجگانہ میں سے ایک وقت کی نماز بھی ترک نہیں کرتا تھا (ص ۹۱)

"آپ ہمیشہ طریقت کی راہ میں اس طرح گام فرسائی کرتے تھے کہ آپکا ہر عمل احکام شریعت کے مطابق ہوتا تھا ہمیشہ سنت نبویؐ کی ادائیگی میں کوشش بلیغ فرماتے۔ کہا جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے شاید ہی کوئی سنت آپ سے چھوٹی ہو (ص ۹۵)

لائق مترجم نے ترجمہ بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے دقیق مطالب کے بیان میں بھی کبھی تعقید نہیں پیدا ہونے پائی۔ کتاب کے آخر میں حضرت شاہ العالمین کے سلسلہ کے بزرگوں کے مختصر حالات بھی لکھ دئے ہیں اور مفصل خاندانی شجرے بھی دے دئے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب شاہ العالمین کے حالات ہی نہیں بلکہ ان کے متعلقین اور منتسبین کے بارہ میں ایک مستند اور جامع دستاویز ہو گئی ہے۔

پرانے چراغ: مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی۔ مختلف مشاہیر و باکمال شخصیتوں کا دلکش قلمی مرقع، دینی و اخلاقی اور ادب و سوانح نگاری کا مہکتا ہوا گلدستہ۔ ۴۴۰ صفحات پر مشتمل معیاری کتابت و طباعت قیمت ۱۲ روپے
(مکتبۂ فردوس۔ مکارم نگر۔ (برولیا) لکھنؤ ۔ ۷)

معدہ، جگر، اعصاب اور گُردوں کو طاقت دیتی ہے۔
بیماری کے بعد کی کمزوری کو جلد دُور کرتی ہے۔
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

شاہ فیصل کی شہادت اور انکے جانشین کے انتخاب کی تفصیل

عربی پریس سے

تلخیص و ترجمہ: عصمت اللہ تبتی

جلالۃ الملک پاسبان حرم شاہ فیصل کی شہادت نے عالم اسلام کو ایک زبردست حادثہ سے دوچار کر دیا۔ یہ حادثۂ عظیم اچانک ظہور پذیر ہوا۔ جس نے تمام دنیا کی نگاہوں کی نگاہوں کو سعودی عربیہ کے دار السلطنت ریاض کی طرف متوجہ کر دیا۔ ہر شخص ایک دوسرے سے انتہائی حیرت و استعجاب، رنج و غم اور تاسف کے ساتھ یہ سوال کرنے پر مجبور تھا کہ کس طرح یہ واقعہ پیش آیا؟ اس کے کیا اسباب تھے؟ اور اب ـــــ مرحوم کے بعد کیا حالت ہو گی؟

اس واقعہ پر اس قدر حیرت و تعجب اور رنج و تاسف کا اصل و بنیادی سبب عام مسلمانوں کے دلوں میں مملکت سعودی عربیہ کی وقعت اور اس کی اہمیت ہے، یعنی یہ وہی سرزمین ہے جہاں بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی ہے۔ جو ہر مسلمان کے نزدیک اس کے اہل و عیال، مال و دولت اور وطن سے زیادہ محبوب و مقدس ہے۔

اس المناک واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۶ مارچ کو منگل کے دن شہزادہ فیصل ابن مساعد دفتر میں داخل ہوا جہاں اسی وقت کویت کے وزیر تیل عبدالمطلب کاظمی اور سعودی عربیہ کے وزیر تیل شیخ احمد زکی یمنی شاہ فیصل سے ملاقات کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے اور شاہ فیصل کی اجازت کے منتظر تھے۔ اس لئے کہ دونوں وزیر شاہ کو اس بات کی اطلاع دے چکے تھے کہ وہ دونوں شرفِ ملاقات کے لئے آئے ہیں اگر موقع ہو تو اجازت دیدی جائے۔

شاہ فیصل نے دونوں کو باریابی کی اجازت دی۔ اس موقع کو قاتل شہزادہ فیصل ابن مساعد نے غنیمت سمجھا اور وہ بھی دونوں وزیروں اور کیمرہ مین کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ شاہی محافظین اور خود سعودی عرب کے وزیر تیل احمد زکی نے ان کے اس داخلہ کا زیادہ خیال نہیں رکھا۔ اس لئے کہ وہ ان کے ساتھ بہت کھل مل کر باتیں کرتے تھے اور ایک زمانہ میں قاتل شہزادہ اور شیخ عبدالمطلب کاظمی دونوں نے امریکا کے سو ڈیگو یونیورسٹی میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ فیصل کے ملاقاتی کمرہ میں داخل ہونے کے چند ہی ثانئے بعد وہ نہایت پھرتی کے ساتھ شاہ فیصل کی طرف اس انداز سے بڑھا کہ گویا وہ مبارکباد دینا چاہتا ہو، اور قریب ہی سے اس نے شاہ پر تین گولی چلادی گولی چلنے کے ... ہی سکنڈ بعد شاہ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دونوں وزیر اور شاہی محافظین نے قاتل کو قابو میں کیا۔

خالد بن عبدالعزیز کا بیان:

موجودہ شاہ شاہ خالد کا بیان ہے کہ جس وقت یہ المناک واقعہ ظہور پذیر ہوا اس وقت میں اپنے محل میں چائے نوشی کر رہا تھا۔ چائے کی پیالی میرے ہاتھ میں تھی کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون اٹھایا تو کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ شاہی محل میں گولی چل گئی۔ تو میں اپنے بندوق کی طرف لپکا اور اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر انتہائی تیزی کے ساتھ شاہی محل کی طرف چلا۔ محافظوں کو باہر روک کر میں محلِ شاہی میں داخل ہوا ـــ میں نے وہاں جو منظر دیکھا اس نے مجھے رنج و غم اور پریشانی کے اس درجہ پر ڈال دیا کہ میں اپنے اوپر بمشکل قابو پا رہا تھا۔ اس لئے کہ شاہ فیصل صرف میرے ایک بھائی ہی نہیں تھے بلکہ میرے دوست بھی تھے۔ انہوں نے مجھے حکمرانی کے فن سے آشنا کیا۔ ہم دونوں گذشتہ پچاس سال سے ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ شاہ خالد نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ میں نے فوراً ڈاکٹروں کو طلب کیا۔ لیکن مرحوم فیصل آخری سانس لے چکے تھے اور انھیں ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں ملا۔

شاہ فیصل کے اس واقعۂ قتل کے بعد فوراً شاہی خاندان نے بالاتفاق خالد بن عبدالعزیز کو بادشاہ تسلیم کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بدھ کے روز ۱۴ ربیع الاول کو تدفین کا دن طے ہوا۔ پوری دنیا سے لاکھوں لوگ ان کا آخری دیدار کرنے کے لئے نماز جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے سعودی عربیہ کے دار الحکومت ریاض پہونچنے شروع ہو گئے ان میں بادشاہ بھی تھے، سربراہانِ مملکت بھی، فوجی افسران بھی تھے، قبائلی سردار بھی تھے، ہر آنکھ پرنم تھی اور ہر دل پُر غم۔ چہروں پر رنج و الم کے آثار نمایاں تھے تو نگاہوں میں پریشانی اور اضطرابی کیفیت۔

مرحوم شاہ فیصل کے جسد خاکی کو پہلے مسجد مربع میں منتقل کر دیا گیا اور وہاں بادشاہ، سربراہانِ مملکت، اور وزراء و رؤسا نے نماز جنازہ ادا کی پھر ان کی نعش کو مسجد عبدالکبیر لے جایا گیا۔ جنازہ کے کندھا دینے والوں میں مرحوم کے تمام بھائی، ان کے بیٹے اور بھتیجے بھی تھے۔ مصر کے سادات اور پاکستان کے بھٹو بھی تھے، شاہی افراد بھی تھے اور قبائلی بدو بھی تھے۔ مسجد عبدالکبیر میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور لاکھوں افراد نے دبی دبی سسکیوں سے زبان سے اذکار و اوراد۔ اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے میت کو آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا جہاں اس جسد خاکی کو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے مطابق "منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرى" خاک کے سپرد کر دیا گیا۔

مرحوم شاہ فیصل کی وفات کے فوراً بعد ہی ان کے بھائی خالد بن عبدالعزیز کی جانشینی عمل میں آئی اور بغیر کسی اختلاف کے شاہی افراد نے بیعت کی، مرحوم کی تدفین سے قبل نئے شہنشاہ کا اعلان ایک مناسب اور صحیح اقدام تھا اور اس اقدام کا تمام لوگوں نے زبردست خیر مقدم کیا۔ لوگ جوق در جوق آتے نئے بادشاہ خالد بن عبدالعزیز اور ولی عہد امیر فہد بن عبدالعزیز کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ اور ہر شخص اپنے رسم و رواج کے مطابق وفاداری کا عہد کرتا۔ بیعت کے یہ الفاظ عام طور پر لوگ دہرا رہے تھے کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسی کے مطابق ہم آپ کی اطاعت کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

اس طرح سے تاریخ کا ایک باب ختم ہوا۔ اور دوسرا باب شروع ہوا۔ خاموشی طبیعت، ... نئے شاہ خالد بن عبدالعزیز کو دنیا کا عظیم ترین شخص ... لیکن ان کے چہرے پر کسی قسم کی خوشی کے ... نہیں تھے۔ اپنے پیارے بھائی، شفیق دوست ... کے بچھڑ جانے ... اور دنیا کے عظیم ترین شخصیت کی جدائی ان کو کہاں خوش ... ہے۔ ان پر تو مصیبت و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ وہ اپنے اندرونی جذبات کو اور آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو روکنے کی بہت کوشش کرتے رہے۔ یہی حال ولی عہد شہزادہ فہد کا تھا۔ وہ سوگوار تو تھے لیکن زبردستی اپنے جذبات رنج و غم کو روک رہے تھے اس لئے کہ یہ موقع سینہ کوبی اور آہ و بکا اور نوحہ کرنے کا نہیں تھا بلکہ ان پر ایسی ذمہ داری آپڑی تھی جو انھیں ماتم و نوحہ کی قطعی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ یہ بات نہایت ہی قابل تعریف ہے کہ ان دونوں نے اس قدر سخت اور پریشان کن موقع پر صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور عقل و ہوش کو بالائے طاق رکھا بلکہ سسکیوں، آنسوؤں اور آہوں کے درمیان انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سعودی عربیہ پہنچنے والے تمام سربراہان مملکت، وزراء و رؤساء اور دیگر تمام مہمانوں کے آرام و راحت کا خیال رکھا۔

اسی طرح ان دونوں کے علاوہ اخباری رپورٹ کے مطابق سعودی عربیہ کے ہر فرد نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ہم سخت سے سخت مصیبت میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ نہیں سکتے۔

انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين۔

ہفت روزہ "المنبر"
لائل پور کا
عبداللہ منبر
بہت جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔
حکیم محمد عبداللہ ... والے نہ تھے بلکہ ... والے تھے جنہوں نے دنیا سے کبھی پیار نہیں کیا۔
مشہور علمی مضامین۔
بہت جلد شائع کر دیا جائے ...
... پاکستان

ندوۃ العلماء ـ راہ اعتدال

دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک جھلک — نئی تعمیر شدہ چار دیواری کے ساتھ

مغرب میں قدیم وجدید تعلیمیافتوں کی دو برابر کی جماعتیں قائم ہیں۔ ہمارا کام یہ ہوگا کہ ہم تو ایسا نقطہ ان دونوں کے درمیان سلسلۂ اتصال کا کام دیتا لیکن کبھی کبھی ہم کو عجیب غریب مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہی وقت ہوتا ہے جب ہمارے کان میں یہ آواز آتی ہے ؎

درد دل بعدہ دریں رحمت تو پیداست سا کلیسا را
بجل مستم نگر خود کہ دار دلو ثے ایمان هم

فریق اول کہتا ہے کہ علوم یورپ کی آمیزش سے تم علوم قدیم کے حرم اقدس کی توہین کرتے ہو۔ جدید فرقہ الزام دیتا ہے کہ پرانے اور فرسودہ علوم کو زندہ کر کے تم پھر ہمارے پاؤں میں وہ زنجیر ڈالنا چاہتے ہو جس کو پچاس برس کی محنت میں ہم نے بڑی مشکل سے کاٹا ہے۔ حقیقت حال پر نظر ہو تو دونوں پر اپنی غلطی آپ منکشف ہو جائے۔ یورپ کے علوم، قدیم علوم کی معصومیت میں رخنہ انداز نہیں بلکہ اس کے حسن و جمال کی افزائش کا سامان ہیں۔

دوسرے فریق سے کہنا ہے کہ اسلاف کے متروکہ علوم کو ذرا صیقل کر کے دیکھو زنجیر یا نہیں۔ تمہارے پائے کمال کا خلخال ہے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ یورپ کے دیش میں تم غریب نادار والدین کی وہ بیٹی ہو جو صرف سسرال کی دولت پر نازاں ہے۔

(مولانا سید سلیمان ندویؒ)

مدرسہ محمد انگلش اسکول، دار العلوم ندوۃ العلماء کی زیر تعمیر عمارت

ندوۃ العلماء ـ قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین امتزاج

آہ ـ خادمُ الحرمین!

۸ر اپریل ۱۹۷۵ء

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خادم الحرمین شاہ فیصلؒ کی ناگہانی شہادت جہاں ملت کے لئے ایک دلخراش صدمہ ہے وہیں ندوہ اور ارباب ندوہ کے لئے ایک ناقابل تلافی ذاتی نقصان بھی ہے۔ آپ سے زیادہ امیر موصوف کے صفات محمودہ اور افعال حسنہ کا جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے ؎

"قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

آہ! ملت اسلامیہ کا وہ بطل جلیل رخصت ہو گیا جو ملت کی سرخروئی و سربلندی کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتا تھا، جو ایمان و یقین کا مجسمہ، خلوص و محبت کی تصویر، عزم و ثبات کا سرچشمہ، تدبر و ہوشمندی کا جیتا جاگتا نمونہ تھا، جس نے خاموشی و بردباری کے ساتھ ہر کٹھن موڑ پر ملت کی رہنمائی فرمائی اور یہود و استعمار کی سازشوں کو بے نقاب کر دیا۔ مرحوم ہی کی مخلصانہ غیر معمولی جد وجہد کا نتیجہ ہے کہ تمام عالم اسلام ایک مرکز پر مجتمع ہے اور سامراجی چالوں سے پوری طرح باخبر ہے اور اپنے آبرومندانہ بقاء و استحکام کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ ایسا حادثہ ہے جس نے ملت کو دم بخود اور اسکی قوت عمل کو مفلوج کر دیا ہے مگر ملت ان سے بھی بڑی اور گرانمایہ شخصیتوں کا دلفگار غم جھیل چکی ہے۔

اللہ کا بہت بڑا احسان اور انعام عظیم ہے کہ ملت کبھی بھی شخصیت پرست نہیں رہی۔ اس کا تو اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات گرامی پر بھروسہ ہے وہی کارساز حقیقی ہے اور وہی ملت اسلامیہ کا محافظ و پاسبان ہے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ خدا اکا کرم دستگیری فرمائے اور کوئی ایسی ہستی اٹھ کھڑی ہوگی جو اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمت کا حق ادا کریگی اور ملت کی امیدوں اور تمناؤں کا مرکز اور اُسکے حوصلوں اور توانائیوں کا محور بن جائے گی ؎

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

خداوند عز وجل سے دعا ہے کہ مرحوم کو فردوس بریں عطا فرمائے اور ملت کو صبر جمیل اور مرحوم کا بہترین بدل دے۔

والسلام

دلفگار محمد انوار الحق خاں انور، پیپل گاؤں، اجنتہ ـ ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر)

آہ ـ خادمُ الحرمین!

رخصت ہوئے دنیا سے جناب فیصل — چھا گئے عالم اسلام پہ غم کے بادل
شدت غم سے ہر اک سینہ امنڈتا بادل — جوش گریہ سے ہر اک آنکھ چھلکتی بوتل
درد پیہم سے ہوا جاتا ہے ایسا بے کل — قلب پہلو سے تڑپ کر کہیں جائے نہ نکل
حادثہ ایسا ہے جانکاہ کہ برہم ہیں حواس — ذہن ماؤف، سراسیمہ نظر، اعضا شل
برق غم گر پڑی احساس کے میناروں پر — پارہ پارہ ہیں تمناؤں کے سب شیش محل
کوشش ضبط سے کیا رک سکی فغان پر جوش — بحر جذبات محبت میں مچی ہے ہل چل
زور سے جس کے ... لرز جاتی تھی — تند جھونکوں نے اجل کے وہ بجھایا ہے کنول
جس کی تابانی سے روشن ہوئے دشت و صحرا — شب کی آغوش میں دم توڑ چکی وہ مشعل
ہو گئی آج جدا ہم سے وہ مخلص ہستی — پوری ملت میں نہیں جس کا مماثل نہ بدل
وہ مبلغ بھی تھا مصلح بھی مدبر بھی تھا — اس کی دانائی سے ہر عقدۂ دشوار تھا حل
پاسباں دیں کا تھا، خادم حرمین بھی تھا — اس نے نافذ کئے احکام نبی مرسلؐ
مانے ہر مذہب و مسلک سے رواداری کی — مقتدا اس کے اگرچہ تھے امام حنبلؒ
اس کا سینہ تھا کہ گنجینۂ علم و حکمت — سوز و انوار محبت سے نظر تھی صیقل
اس کی فطرت میں بلندی تھی صلابت بھی تھی — بے مثال اس کا ہر اک کام تھا ہر حکم اٹل
اس کی آنکھوں میں تھی نہ نمائش سے غرض — حسن کردار سراپا تھا، مجسم تھا عمل
ملک کی اُس نے تو کایا ہی پلٹ کر رکھ دی — اب وہاں باغ ہیں سرسبز جہاں تھے جنگل
خار زاروں کو حسیں شہروں میں تبدیل کیا — واقعی اس نے تو جنگل میں منایا منگل
ذات سے اسکی ملا ملک کو وہ استحکام — کہیں شورش تھی نہ ہلچل نہ بغاوت نہ خلل
منتشر عالم عربی کو منظم کر کے — کیل کانٹے سے کیا لیس پئے جنگ و جدل
اس نے سینتیس کی ہزیمت کا چکایا بدلہ — قلب ملت کو کیا شاد تھا غم سے بوجھل
تیل کے حربے سے مغرب کی جھکائی گردن — اک اشارے سے زمانے میں مچا دی ہل چل
روس و امریکہ پریشان تو لرزاں تھے یہود — "ناصریت" کے بھی حکمت سے نکالے کس بل
ضرب سے اس کی ہوا چور بت استعمار — اس کے قدموں پہ گرے لات و ہبل سر کے بل
مہر شاہی کی پڑی ضرب ہر اک سکے پر — مارک ہو، پونڈ ہو، ین ہو کہ ڈالر روبل
عالمی منڈی میں وہ چاہے تو بحراں آجائے — وہ جو چاہے تو ہو مغرب کا قضیہ فیصل
ظلم کا نام و نشاں اس نے مٹا کر چھوڑا — ڈٹ گیا سامنے ہر فتنے کے وہ شل جبل
بیت اقدس کو چھڑانے کی تمنا تھی بہت — کاش کچھ اور بھی مہلت اُسے دیدیتی اجل
اس کے اوصاف کی تفصیل کہاں تک ہو بیاں — "مرد مومن" تھا یہ توصیف ہے اسکی مجمل

ہے دُعا انورِ غمگین کی رُوحِ فیصل
پائے الطاف وعنایاتِ خدا عزّ وجل

(محمد انوار الحق خاں انور)